تحقیق وتدقیق | **قسط نمبر ①**

خطبہ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشاد الحق اثری حفظہ اللہ

سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے آخری حج جو ''حجۃ الوداع'' کے نام سے بھی معروف ہے، دس ہجری میں کیا۔ اس سے قبل آخری رمضان المبارک ہی میں کچھ آثار نمایاں ہونے لگے تھے کہ شاید آئندہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں رمضان المبارک نہ آپائے کیوں کہ آخری رمضان المبارک میں خلافِ معمول جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے دو بار قرآن مجید کا دَور کیا۔

قربِ اجل کے اشارے:

❁ بلکہ نبی ﷺ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((إن جبريل كان يعارضه بالقرآن سنة مرة، وإنه قد عارضني به العام مرتين، ولا أرى الأجل إلا قد اقترب، فاتقي اللّٰه واصبري.)) (صحيح بخاري، رقم: ٦٢٨٥، ٦٢٨٦، ٣٦٢٤، صحيح مسلم)

''بے شک جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا ایک بار دَور کرتے تھے، اس سال انھوں نے دو بار دَور کیا ہے اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب ہے، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔''

❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ سے ہر سال ایک بار قرآنِ مجید کا دَور کیا جاتا تھا، مگر جس سال آپ فوت ہوئے، اس میں دو بار دَور کیا گیا۔ نبی ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے، پھر جس سال آپ فوت ہوئے، اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا۔'' (صحیح بخاری، رقم: ۴۹۹۸، ۲۰۴۴)

❁ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یومِ نحر پر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اونٹنی پر دیکھا، آپ ﷺ کنکریاں مار رہے تھے اور فرما رہے تھے:

((لتأخذوا مناسككم، فإني لا أدري لعلي لا أحج بعد حجتي هذه.))

(صحيح مسلم، رقم: ١٢٩٧)

''اپنے حج کا طریقہ سیکھ لو۔ بے شک میں نہیں جانتا، شاید میں اپنے اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں۔''

سنن ابن ماجہ وغیرہ کے الفاظ ہیں:

((لتأخذ أمتي نسكها، فإني لا أدري لعلي لا ألقاهم بعد عامي هذا.))

(سنن ابن ماجه، رقم: ٣٠٢٣)

''میری امت کو چاہیے کہ اپنے حج کا طریقہ سیکھ لے۔ مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس سال کے بعد ان سے (حج میں) ملاقات) نہ کرسکوں۔''

❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا:

"وودع الناس، فقالوا: هذه حجة الوداع."

(صحيح بخاري، رقم: ١٧٤٢)

''اور لوگوں کو الوداع کہا۔ اسی سے لوگ اس حج کو ''حجۃ الوداع'' کہنے لگے۔''

لوگوں کو الوداع کہنے کے معنی یہ لیے گئے کہ نبی ﷺ نے خطبے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الوداعی وصیتیں کیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔

اس سے انھوں نے ''حجۃ الوداع'' کا مفہوم سمجھا۔(فتح الباری:۸/ ۱۰۷)

❁ حجۃ الوداع ہی میں ۹ ذوالحجہ بروز جمعہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ: ۳]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کرلیا۔''

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اپنی کتاب میں ایک آیت ایسی پڑھتے ہیں کہ اگر ہم یہودیوں کی کتاب میں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کون سی آیت؟ اس نے کہا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس دن اور جگہ کو جانتے ہیں جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں تھے اور جمعہ کا دن تھا۔(صحیح بخاری، رقم:۴۵)

اس آیت میں ''اکمالِ دین'' اور ''اتمامِ نعمت'' کا ذکر ہے۔ ''اِتمام'' بحسبِ اجزاء ہوتا ہے کہ اس کے تمام اجزاء مکمل ہیں، اب کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔ دین نام کی چیز اس کے بعد اور کوئی نہیں اور مسلمان اس کے علاوہ کسی اور دین کے محتاج نہیں ہیں۔ اور ''اِکمال'' بحسبِ اوصاف ہوتا ہے کہ اس سے جو غرض وغایت مقصود تھی، وہ مکمل ہوگئی ہے، یعنی اس دنیا میں دینِ اسلام بھیجنے کا جو مقصد تھا، وہ آج پورا ہوگیا ہے۔

❁ اسی موقع پر، جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ منیٰ میں ایامِ تشریق کے وسط میں سورۃ النصر نازل ہوئی۔

(فتح الباری:۸/ ۱۳۰، ۷۳۴، ابن کثیر:۴/ ۷۲۸ وغیرہ)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ نے تو ذکر کیا ہے کہ اس سورت کا نام ''سورۃ التودیع'' بھی ہے۔ ''التودیع'' کے معنی ہیں: کسی کو رخصت کرنا۔ اس سورت میں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہونے کا اشارہ ہے، اس لیے اس کا نام ''سورۃ التودیع'' بھی ہے۔ یہ آخری مکمل سورت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ قرآنِ مجید کی آخری مکمل سورت کون سی نازل ہوئی؟ تو میں نے عرض کیا: ہاں ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ سب سے آخری سورت ہے۔ انھوں نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا ہے۔''(صحیح مسلم، رقم:۳۰۲۴، سنن نسائی، فتح الباری:۸/ ۷۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں شیوخِ بدر رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ عموماً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا لیتے تھے جس پر شیوخِ بدر ناگواری محسوس کرتے کہ ہماری اولاد کو تو نہیں بلایا جاتا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا لیتے ہیں! ایک روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز شیوخِ بدر کی موجودگی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا اور شیوخِ بدر سے پوچھا کہ سورۃ النصر کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو خاموش رہے اور بعض نے فرمایا کہ اس میں ہمارے لیے فتح ونصرت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے اور استغفار کرنے کا حکم ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: تمھاری بھی یہی رائے ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے اور آپ کو بتلایا گیا ہے کہ آپ کی اجل قریب ہے، اس لیے اپنے رب کی حمد کہیں اور بخشش طلب کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی یہی سمجھتا ہوں جو تم نے کہا ہے۔(صحیح بخاری، رقم:۳۶۲۷، ۴۲۹۴، ۴۴۳۰، ۴۹۴۹، ۶۹۷۰، نیز دیکھیے فتح الباری:۸/ ۷۳۵)

چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ سجدے اور رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دعا پڑھنے لگے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ

اغْفِرْلِيْ .)) (صحيح بخاري، رقم: ٧٩٤، ٨١٧)

''اے ہمارے اللہ! اے ہمارے رب! تُو (ہر عیب سے) پاک ہے۔ ہم تیری تعریف اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے بخش دے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک روایت میں یہ ہے کہ ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی جس میں یہ نہ پڑھا ہو:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ .)) (صحيح بخاري، رقم: ٤٩٦٧)

۱۳ ذوالحجہ ۱۰ھ:

حج سے فارغ ہوئے تو بروز منگل ۱۳ ذوالحجہ ۱۰ھ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ زوال کے بعد کنکریاں مار کر منیٰ سے کوچ فرمایا اور وادیِ ابطح (خیف بنی کنانہ) میں فروکش ہوئے۔ اسی کو ''وادیِ محصّب'' بھی کہتے ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں بنو کنانہ نے قریشِ مکہ کے ساتھ مل کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، پھر کچھ وقت آرام فرمایا اور اس کے بعد اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طوافِ وداع کے لیے تشریف لے گئے۔ (صحیح بخاری، رقم: ۱۷۵۶)

صبح کی نماز حرمِ پاک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ادا کی، پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ مدینہ طیبہ کی جانب چل پڑے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ طواف کے بعد نبی ﷺ واپس وادیِ ابطح تشریف لے گئے، مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی انھوں نے کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ (البدایہ: ۵/ ۲۰۷)

۱۸ ذوالحجہ ۱۰ھ:

چنانچہ مکہ کرمہ سے نکل کر ۱۸ ذوالحجہ ۱۰ھ بروز اتوار رسول اللہ ﷺ ''غدیرِ خُم'' کے مقام پر پہنچے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کے راستے پر واقع ہے جو جُحْفَہ کے قریب ہے۔ (البدایہ: ۵/ ۲۰۸) اور جُحْفَہ سے ۸ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں آنحضرت ﷺ نے عظیم الشان خطبہ اِرشاد فرمایا اور اس میں اہلِ بیت، بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بیان فرمائے۔

خطبے کا پس منظر:

اس خطبے کا پس منظر یہ تھا کہ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو گھڑ سواروں کا ایک لشکر جنوبی یمن میں قبیلہ مُذْحَج کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ابتدائی طور پر قبیلہ مذحج نے مقابلہ کیا، مگر بالآخر اللہ تعالیٰ نے لشکرِ اسلام کو فتح ونصرت سے نوازا۔ قبیلے کے رؤساء نے اِسلام قبول کیا اور اپنے صدقات وزکاۃ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ انھوں نے سارے مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ قرعہ اندازی سے رسول اللہ ﷺ کا خصوصی ''خمس'' علیحدہ کر دیا اور باقی مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

اُدھر آنحضرت ﷺ حج کے لیے مکہ مکرمہ آ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مقام فُتق پر پہنچے تو انھوں نے لشکر اور مالِ غنیمت کی ذمہ داری حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور خود پیش قدمی کر کے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے، تاکہ جلدی سے آنحضرت ﷺ سے جا ملیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ صدقے کے اونٹوں پر سواری کرنے سے روکتے تھے۔ مالِ غنیمت میں یمنی کپڑوں کے ڈھیر تھے۔ مجاہدین نے نئے امیر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ انھیں دو دو چادریں عطا کر دیں، انھوں نے ساتھیوں کی فرمائش پوری کر دی۔

جب یہ لشکر مقام ''سدرہ'' سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان سے آ ملے، تاکہ لشکر کے پڑاؤ کا بندوبست کر سکیں۔ جب انھوں نے سب لوگوں کو دو دو نئی چادروں میں ملبوس دیکھا تو پہچان گئے کہ یہ تو ''خمس'' کی چادریں ہیں، وہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئے کہ میں نے تو ان کے مطالبے پر چادریں نہیں دی تھیں، مگر آپ نے دے دیں! چنانچہ مجاہدین سے وہ چادریں واپس لے لی گئیں۔ مجاہدین نے اس کا شکوہ آنحضرت ﷺ سے کیا۔

اُدھر حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بھی مالِ غنیمت کے ایک معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے، حتیٰ کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے لگا تھا۔ (بخاری مع الفتح: ۸/۶۶) مسند امام احمد رحمہ اللہ میں ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے اس قدر بغض رکھتا تھا کہ اس قدر بغض میں کسی سے نہیں رکھتا تھا اور میں قریش کے نوجوان سے محبت کرتا تھا اور میں اس سے محبت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کی وجہ سے کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو دریافت فرمایا: ''کیا تُو علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''اس سے بغض نہ رکھو اور تم اس سے محبت کرو تو اس سے بہت زیادہ محبت کرو۔'' حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد سب سے زیادہ میری محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ (البدایہ: ۵/۱۰۴)

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر لشکرِ اسلام کے جاں نثاروں کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ شکوے پیدا ہو گئے تھے کہ انھوں نے ہمارے ساتھ ظلم وزیادتی کی ہے اور بخل کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ امرِ واقع یہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا، چنانچہ ۱۸ ذوالحجہ کو غدیرِ خُم کے مقام پر عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جسے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، ہمیں وعظ ونصیحت فرمائی، پھر فرمایا:

((ألا أيها الناس! فإنما أنا بشر، يوشك أن يأتي رسول ربي فأجيب، وأنا تارك فيكم ثقلين؛ أولهما كتاب الله، فيه الهدى والنور، فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به.)) فحث على كتاب الله ورغب فيه، ثم قال: ((و أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي.)) (صحيح مسلم، رقم: ۲۴۰۸/۶۲۲۵)

''اے لوگو! میں بے شک انسان ہوں۔ قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت قبول کرلوں۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں؛ ان دو میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، پس تم اللہ کی کتاب کو اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو اُبھارا اور انھیں رغبت دلائی، پھر فرمایا: ''(دوسری چیز) میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں (یعنی اللہ سے ڈرتے رہنا اور میرے اہلِ بیت کا خیال رکھنا)۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

((كأني قد دعيت فأجبت. إني قد تركت فيكم الثقلين، أحدهما أكبر من الآخر؛ كتاب الله وعترتي أهل بيتي، فانظروا كيف تخلفوني فيهما، فإنهما لن يتفرقا حتى يردا علي حوضي.)) ثم قال: ((إن الله مولاي وأنا ولي كل مؤمن.)) ثم أخذ بيد علي فقال: ((من كنت وليه فهذا وليه. اللّٰهم وال من والاه وعاد من عاداه.)) (السنن الكبرى للنسائي، رقم: ۸۰۹۲، المستدرك للحاكم: ۳/۱۰۹، مسند أحمد: ۱/۱۱۸، سلسلة أحاديث الصحيحة، رقم: ۱۷۵۰)

''مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھے بلایا جا رہا ہے تو میں نے ہاں کر دی ہے۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے؛ کتاب اللہ اور میری

عترت میرے اہلِ بیت کا خیال رکھنا۔ دیکھنا کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی، تا آنکہ یہ دونوں میرے پاس حوض پر آ جائیں گے۔'' پھر فرمایا: ''میرا اللہ مولیٰ ہے اور میں ہر مومن کا دوست ہوں۔'' پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''میں جس کا دوست ہوں، یہ اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! جو اس سے دوستی رکھے، اس سے تُو بھی دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو تُو بھی اس سے دشمنی رکھ۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (البدایہ: ۵/۲۰۹، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سلسلہ صحیحہ، رقم: ۱۷۵۰)

گویا حالات کے پس منظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کے حقوق کی پاسداری اور ان سے مودّت واُخوت قائم رکھنے کی تاکید فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی اور اُخوت رکھنے کا حکم فرمایا۔

یاد رہے کہ عرفات میں جو طویل خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا تھا، اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کے بارے میں فرمایا:

((قد تركت فيكم ما لن تضلوا بعده إن اعتصمتم به كتاب الله .)) (صحيح مسلم، رقم: ١٢٢٨)

''میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ اللہ کی کتاب ہے۔''

اس خطبے میں اور بھی نصیحتیں فرمائیں جن کا ذکر احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، مگر خطبہ غدیرِ خُم میں کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کے علاوہ اہلِ بیت کا پاس لحاظ رکھنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی رکھنے کا جو حکم فرمایا تو اس کا سبب بجز اس کے اور کوئی نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے اور یہی سبب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ (۵/۲۰۸) میں ذکر فرمایا ہے، بلکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں فرمایا:

((أيها الناس! لا تشكوا عليا .)) (ابن هشام: ٢/٣٥١)

''لوگو! علی کا شکوہ نہ کرو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف مواقع پر نصیحتیں:

یہی ایک موقع نہیں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت ومخالفت کے دفاع میں خطبہ اِرشاد فرمایا ہو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی آپ نے محسوس فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین یا کسی ایک صحابی کے بارے میں نفرت کے جراثیم جڑ پکڑ رہے ہیں تو اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان فرمائے اور موقع کی مناسبت سے اگر ضرورت پڑی تو خطبہ بھی اِرشاد فرمایا۔

①..... چنانچہ ایک موقع پر کسی یہودی کی شرارت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معروف قبائل اوس اور خزرج میں پرانی دشمنی بھڑک اُٹھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

((اللّٰه اللّٰه! أبدعوى الجاهلية وأنا بين أظهركم بعد أن هداكم الله للإسلام وأكرمكم به، وقطع به عنكم أمر الجاهلية، واستنقذكم به من الكفر، وألف به بين قلوبكم!))

(ابن هشام: ١/٥٥٥، ط: مطبعة مصطفى البابي)

''اللہ اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار، وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی، اس کے ذریعے تمھیں عزت بخشی، اس کے ذریعے تم سے جاہلیت کا خاتمہ فرما دیا، تمھیں کفر سے نجات دی اور تمھارے دلوں میں اُلفت ڈال دی!''

②..... اسی طرح جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے فتحِ مکہ کے موقع پر سخت کوتاہی ہوئی کہ انھوں نے اہلِ مکہ کو اس بارے میں خط لکھا، مگر وہ خط راستے ہی میں پکڑا گیا۔ یہ نہایت سنگین معاملہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے اجازت دیجیے میں اس

منافق کی گردن اُڑا دوں۔ اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے خیانت کی ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا یہ اہلِ بدر میں سے نہیں ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر سے فرمایا ہے کہ جو چاہو عمل کرو، میں نے تمھارے لیے جنت واجب کر دی ہے۔

(صحیح بخاری، رقم: ۳۰۰۷، ۳۹۸۳)

③.....حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مابین شکر رنجی پیدا ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معذرت کی، مگر انھوں نے مجھے معاف نہ کیا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تمھیں معاف فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی اور اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ میری مدد کی:

"((فهل أنتم تاركوا لي صاحبي؟)) مرتين."

(صحيح بخاري، رقم: ٣٦٦١، ٤٦٤٠)

''کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑ سکتے ہو؟ یہ بات آپ ﷺ نے دوبار ارشاد فرمائی۔'' (اس حوالے سے مزید دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۱۰/ ۲۹۷، ۲۹۸)

بالکل اسی طرح یمن سے واپسی پر جب لشکرِ اسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور ناراضی کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے شکوک کا ازالہ فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور اہلِ بیت سے محبت ومودّت کی تاکید فرمائی۔

خطبۂ غدیرِ خُم سے غلط اِستدلال:

اس خطبے کو بنیاد بنا کر رافضی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل پر اِستدلال کرتے ہیں اور ۱۸ ذوالحجہ کو عیدِ غدیرِ خُم مناتے ہیں۔ حالانکہ اس خطبے میں نہ خلافتِ بلافصل کا کوئی ذکر ہے اور نہ اس بنیاد پر حضرت علی اور دیگر اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس دن کو بطور عید منایا ہے!

علاوہ ازیں ۱۸ ذوالحجہ کی فضیلت میں انھوں نے یہ روایت بھی بنا ڈالی کہ جو اس تاریخ کو روزہ رکھے گا، اس نے گویا ساٹھ ماہ کے روزے رکھے۔ حالانکہ یہ باطل اور من گھڑت روایت ہے۔ (البدایہ: ۵/ ۲۱۴)

رافضی حضرات اس بارے میں اس انتہا پر ہیں کہ ان کے مطابق نہ صرف اس روز آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .... إلخ﴾ نازل ہوئی، بلکہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ بھی اسی روز نازل ہوئی!

ان کا یہ دعویٰ اپنے مفروضات پر ہے، اس پر کوئی صحیح یا قابلِ اعتبار روایت کتبِ احادیث وتفاسیر میں سے کسی قابلِ اعتبار کتاب میں نہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے دونوں آیات کے حوالے سے ان روایات کو "سلسلة أحاديث الضعيفة والموضوعة" میں ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو رقم: ۴۹۲۲، ۴۹۲۳، ۴۹۳۲) اور انھیں موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ (جلد نمبر ۴) میں اور علامہ الوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی (جلد نمبر ۶) میں بھی اس پر مفصل نقد کیا ہے۔ مشہور مفسرِ قرآن مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے بھی ہفت روزہ الاعتصام میں ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ سے روافض کے استدلال کا تار وپود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ (شائقین ملاحظہ فرمائیں ہفت روزہ الاعتصام، جلد: ۷۱، شمارہ: ۲۵: ۲۶)، اس لیے ہم اس بارے میں مزید بحث مناسب نہیں سمجھتے۔ (جاری ہے)

بقیہ: تبصرۂ کتب

مولانا ثوری رحمہ اللہ خوش نویس بھی تھے، اس لیے کتاب کی نئی کتابت یا کمپوزنگ کرانے کی بجائے مولانا اثری حفظہ اللہ نے محقق ثوری مرحوم ہی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب کا عکس شائع کیا ہے۔ یہ کتاب اہلِ علم اور اصحابِ تحقیق کے لیے خاصے کی چیز ہے۔

کتاب کی مراجعت وقراءت کی خدمت جامعہ دارالحدیث المحمدیہ کے فیض یافتہ شیخ الحدیث مولانا محمد افضل الاثری حفظہ اللہ نے سرانجام دی ہے۔

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ②

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشاد الحق اثری حفظہ اللہ

اس خطبے کے بعض الفاظ سے بھی رافضی حضرات اپنا مفروضہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر علمائے اہلِ سنت نے اس سے استدلال کی کمزوری بھی واضح کر دی ہے، البتہ ان مباحث سے استدلال کے تناظر میں ہم چند گزارشات عرض کرنا چاہتے ہیں:

۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مرض الوفات کے دوران آپ ﷺ کے پاس سے اُٹھ کر باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا: اے ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا: لحمداللہ افاقہ ہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اللہ کی قسم تم تین روز بعد لاٹھی کے غلام ہو گے (یعنی کسی کے ماتحت ہو گے) اور اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری سے فوت ہو جائیں گے، میں بنوعبدالمطلب کے چہروں سے ان کی موت کے وقت کو پہچانتا ہوں۔ آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں اور ان سے خلافت کے بارے میں پوچھیں کہ خلافت کسے ملے گی۔ اگر ہمیں ملتی ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر کسی اور کو ملے گی تب بھی ہمیں معلوم ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ ہمیں کوئی وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا اور آپ نے ہمیں اس سے منع فرما دیا تو آپ کے بعد لوگ ہمیں نہیں دیں گے، اس لیے اللہ کی قسم! میں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے نہیں پوچھوں گا۔ (صحیح بخاري: کتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، رقم: ٤٤٤٧)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فوائد أبي الطاهر الذهلي" کے حوالے سے، جس کی سند کو انھوں نے جید قرار دیا ہے، نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا۔ اور یہی قصہ مختصراً ذکر کیا جو صحیح بخاری میں ہے، اس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد فرماتے تھے: کاش میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بات مان لیتا۔ (فتح الباری: ۸/۱۴۳)

۲: قابلِ غور بات یہ ہے کہ غدیرِ خُم کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اگر غدیرِ خُم کے خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جانے اور خلافت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرنے کے کیا معنی؟

۳: بالفرض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو غدیرِ خُم کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت دے دینے کی بات یاد نہ رہی ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی انھیں یاد دلا دیتے کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ غدیرِ خُم کے خطبے میں میری خلافت کا اعلان فرما دیا گیا تھا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی بات انھیں یاد نہیں دلائی۔

۴: اگر خلافت کا فیصلہ ۱۸ ذوالحجہ کو ہو چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بخوبی آگاہ تھے تو بعد میں اس پچھتاوے کے کیا معنی کہ کاش میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بات تسلیم کر لیتا اور ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خلافت کے بارے میں دریافت کر لیتے۔

۵: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ مقرر کیا۔ تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں خبردار نہیں کیا کہ کیوں ''کفر'' کی راہ

اختیار کر رہے ہو، رسول اللہ ﷺ نے ۱۸ ذوالحجہ میں میری خلافت کا اعلان فرمایا تھا، بلکہ اسی موقع پر اس کے اعلان واظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی تھی:

﴿يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾

مگر ایسی کوئی بات ان سے کسی قابلِ اعتبار سند سے ثابت نہیں، بلکہ انھوں نے خوش دلی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا، حتیٰ کہ ان کے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافت کو بھی تسلیم کیا اور ہمیشہ ان کے مشیر ومعاون رہے۔

۶: کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں کہ مدینہ طیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر اپنے اس استحقاق کا ذکر فرمایا ہو، البتہ جب وہ خلیفہ بنے تب انھوں نے کوفہ کی مسجد کے صحن میں حاضرین سے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کی قسم دلاتا ہوں۔'' بعض روایات میں ہے: ''میں اُسے اللہ کی قسم دلاتا ہوں جس نے غدیرِ خُم کے روز رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

''اللہ مومنوں کا دوست ہے، جس کا میں دوست ہوں یہ (یعنی علی رضی اللہ عنہ) اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! جو اس سے دوستی رکھے، تُو اس کا دوست ہو جا اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس کا دشمن ہو جا، جو اُس کی مدد کرے، تُو اس کی مدد فرما۔''

تو بعض صحابہ نے اس کی تصدیق کی۔ (خصائص علی وغیرہ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اس کی سند جید ہے۔

(البدایہ: ۵/۲۱۰)

غور طلب بات یہ ہے کہ عہدِ خلافت میں اس حدیث کو یاد دلانے کی ضرورت کیا تھا؟ اگر یہ خلافت کے بارے میں نص ہے تو خلافت کے دوران اس کا ذکر تحصیلِ حاصل ہے۔ اس خطبے کا کوفہ میں ذکر کرنے کا دراصل باعث یہ تھا کہ ایک طرف خوارج نے انھیں پریشان کر رکھا تھا جس کا ذکر تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ دوسری طرف خود ان کے حلقے میں بعض حضرات ان سے نالاں تھے، حتیٰ کہ انھوں نے فرمایا: تم میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں:

"إن ابن أبي طالب شجاع، ولكن لا علم له بالحرب."

(نهج البلاغة مع ابن أبي الحديد: ۱/۱٤۱)

''ابن ابی طالب بڑے بہادر ہیں، مگر انھیں لڑنے بھڑنے، یعنی جنگی پینتروں کا علم نہیں۔'' (نیز دیکھیے نهج البلاغة مع ابن أبي الحديد (۱/۱۸۳) جس میں وہ یہاں تک فرما گئے کہ کاش! معاویہ (رضی اللہ عنہ) مجھ سے تم میں سے دس افراد لے لیں اور اپنا ایک آدمی مجھے دے دیں)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ عراق کے امیر تھے، اس زمانے میں زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر اور افضل تھے۔ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار، سب سے زیادہ زاہد، سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد انھیں رسوا کیا گیا، ان سے سرکشی اختیار کی گئی، تا آنکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زندگی سے تنگ پڑ گئے اور موت کی تمنا کرنے لگے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ اے علی! تم شہید ہو گے، تمھارے سر پر ضرب لگے گی اور خون سے تمھارا سر اور داڑھی رنگین ہو گی۔ اسی فرمانِ نبوی کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے تھے: وہ بدبخت کہاں ہے، کس کا انتظار کرتا ہے، اپنا کام تمام کیوں نہیں کرتا! (البدایہ: ۷/۳۲۳، ۳۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبے میں فرمایا: اے اللہ! میں ان لوگوں سے اُکتا چکا ہوں، یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ ان سے میری جان چھڑا کر راحت کا سامان فرما دے، تاکہ ان کی بھی جان چھوٹ جائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۱۵۴، ابن سعد: ۳/۴، وسندہ صحیح۔ نیز ملاحظہ ہو الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۱/۳۷، سیر اعلام النبلاء: ۳/۱۴۴، البدایہ: ۸/۱۲)

یہ عالَم تھا اور ایسے حالات تھے۔ غالباً انھی حالات کے تناظر میں

انھوں نے اہلِ عراق کو کوفہ کی مسجد کے صحن میں غدیرِ خُم میں آنحضرت ﷺ کا خطبہ یاد دلایا اور اپنی مخالفت ومخاصمت سے خبردار کیا اور اپنی مودّت ومحبت سے آگاہ فرمایا، اس لیے کوفہ کی مسجد کے صحن میں اس خطبے کی یاددہانی کا خلافت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

۷: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تسلیم نہ کیا، وہ فرماتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے میمنہ میسرہ بنے ہوئے ہیں۔ ان سے پہلے قصاص لیا جائے، تب میں ان کی خلافت کا اقرار کروں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انتشار سے بچنے کے لیے اس اقدام کے حق میں نہ تھے۔ یوں امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مابین تناؤ کی صورت پیدا ہوئی جو بالآخر جنگِ صفین پر منتج ہوئی۔ اس باہمی اختلاف کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا جو روافض کی معتبر کتاب ''نہج البلاغہ'' میں ہے جس میں انھوں نے لکھا:

"إنه بايعني القوم الذين بايعوا أبابكر وعمر وعثمان على ما بايعوهم عليه ...... إنما الشورى للمهاجرين والأنصار ، فإن اجتمعوا على رجل وسماه إماما كان ذلك لله رضا ." (نهج البلاغة مع ابن أبي الحديد: ٣/ ٣٠٤)

''بے شک میری بیعت اسی قوم نے انھی شرائط پر کی ہے جن پر انھوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کی بیعت کی ....مجلسِ شوریٰ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم پر مشتمل ہے۔ وہ جس شخص کی امامت پر جمع ہو جائیں اور اس کو امام مقرر کر دیں، اسی میں اللہ کی رضا ہے۔''

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر غدیرِ خُم کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کیسے فرما دیا کہ امام کے تقرر میں مہاجرین اور انصار کی شوریٰ کا فیصلہ ہی تسلیم کیا جائے گا۔ ایک ''نص'' کو نظر انداز کر کے شوریٰ کے فیصلے کو قبول کرنا کہاں تک درست ہے؟ یہ اس حقیقت کی بیّن دلیل ہے کہ امامت وخلافت کا انعقاد مجلسِ شوریٰ کے فیصلے پر ہے۔ اسے منصوص قرار دینا روافض کی اختراع ہے، وللتفصيل موضع آخر .

۸: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنا خلیفہ مقرر فرما دیں تو انھوں نے فرمایا:

"لا ، ولكن أترككم كما ترككم رسول الله ﷺ . "

''نہیں، بلکہ میں تمھیں اسی طرح چھوڑے جا رہا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا تھا۔''

یہ روایت مختلف طرق سے مروی ہے جنھیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ (۷/ ۳۲۵، ۳۲۶) میں ذکر کیا ہے، انھی میں سے ایک روایت مسند احمد (۱/ ۱۳۰، ۱۵۶) اور ابویعلیٰ (رقم: ۵۸۶) میں اور مسند بزار میں ہے۔ علامہ ہیثمی نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں، سوائے عبداللہ بن سبع کے اور وہ ثقہ ہے۔ اور بزار کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد: ۹/ ۱۳۷)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"ما استخلف رسول الله ﷺ فأستخف!"

''رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ مقرر نہیں کیا تو میں کیسے خلیفہ مقرر کروں!''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے۔ (البدایہ: ۵/ ۲۵۱)

جنگِ جمل کے اختتام پر بھی فرمایا: لوگو! امارت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے کوئی عہد نہیں کیا۔ (فتح الباری: ۵/ ۳۶۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ اگر ان کے حاشیۂ خیال میں کہیں بھی خطبۂ غدیرِ خُم میں ان کی اِمامت کا اعلان تھا تو وہ قطعاً یہ نہ فرماتے کہ میں تمھیں اسی طرح چھوڑ رہا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ نے تمھیں چھوڑا تھا، یعنی آنحضرت ﷺ نے کسی

کو نام زَد نہیں فرمایا تھا، اس لیے میں بھی کسی کو نام زَد نہیں کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نہیں، دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلافت کے لیے نام زَد نہیں فرمایا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی آخری لمحات میں جب کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ بنا دیجیے تو انھوں نے فرمایا:

"إن استخلف فقد استخلف من هو خير مني -يعني أبابكر- وإن أترك فقد ترك من هو خير مني -يعني رسول الله صلى الله عليه وسلم-."

(صحيح بخاري، رقم: ٧٢١٨)

''اگر میں خلیفہ مقرر کروں تو بے شک جو مجھ سے بہتر ہے، اس نے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ان کی مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اگر خلیفہ مقرر نہ کروں تو بے شک جو مجھ سے بہتر ہے، انھوں نے خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ ان کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ خلیفہ مقرر نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم، رقم: ١٨٢٣)

طلحہ بن مصرّف رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی؟ انھوں نے فرمایا: نہیں! (صحیح بخاری، رقم: ٢٧٤٠)

اس سے مراد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں وصیت ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ ان کے ہاں کسی نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: انھیں کب وصیت کی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طشت منگوایا، اسی وقت میری گود میں ڈھلک گئے۔ میں نہیں سمجھ سکی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں تو کب آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت فرما دی! (صحیح بخاری، رقم: ٢٧٤١، ٤٤٥٩۔ اسی حوالے سے مزید دیکھیے فتح الباری: ٥/٣٦١، ٣٦٢، البدایہ: ٥/٢٥٠، ٢٥١)

صحیح بخاری کی یہ حدیث دوسری کتبِ احادیث اور تاریخ میں بھی منقول ہے، مگر آپ حیران ہوں گے کہ اس کے مقابلے میں یہ حدیث بھی مردود راویوں بنالی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كل طريق منها لا يخلون من شيعي، فلا يلتفت إليهم." (فتح الباري: ٨/١٣٩)

''ان احادیث کی تمام اسانید شیعہ راویوں سے خالی نہیں، اس لیے وہ قابلِ التفات نہیں۔''

اندازہ کیجیے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں شیعہ راویوں نے کیا جسارت کی ہے!

٩: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز شہید ہوئے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پانچ روز تک مدینہ طیبہ پر غافقی بن حرب کا قبضہ رہا تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امارت کے لیے کسی کو تلاش کرتے تھے کہ کون اس کے لیے تیار ہوتا ہے۔ بصری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں، کوفی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں اور مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھے۔ وہ تو دوڑ کر بنوعمرو کے باغ میں چلے گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ یہ لوگ وہاں بھی پہنچ گئے اور دروازہ پھلانگ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ وہ اپنے ہمراہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی لائے تھے۔ بہت باتوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے آمادہ ہوئے۔ (البدایہ: ٧/٢٢٥، ٢٢٦)

خلافت سے یہ انکار اور اس سے گریز کا ذکر روافض کے ہاں معتبر ترین کتاب ''نہج البلاغہ'' میں بھی ہے، حتیٰ کہ انھوں نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو تلاش کرو۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر رسول

اللہ ﷺ نے غدیرِ خُم کے خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا تو جب اس کا وقت آیا تو اس سے انھوں نے انکار کیوں کیا؟ حضرت طلحہ و زبیر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیوں نہ فرمایا کہ اب تم نے حق پہچانا ہے! پہلے تم نے جن کو خلیفہ تسلیم کیا، تم نے اس میں آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی، اس ''گناہ'' کی معافی مانگو۔

۱۰: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس قدر اہم تھی کہ اسی کے بارے میں سورۃ المائدہ میں اسے اتمامِ دین سے تعبیر کیا گیا اور اس کے اعلان کو ضروری قرار دیا، جیسا کہ روافض کا دعویٰ ہے تو سوال یہ ہے کہ اتنے اہم مسئلے کے لیے یہ مبہم انداز کیوں اختیار کیا گیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اسے واضح الفاظ میں ذکر کر دیا جاتا، تاکہ کسی قسم کا نزاع نہ ہو۔ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہم السلام اور دیگر صالحین رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی ہیں، حتیٰ کہ کفار کے نام بھی مذکور ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام اتنے اہم مسئلے کے لیے نہ لینا، چہ معنی دارد؟

۱۱: خطبہ غدیرِ خُم میں تین بار آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ ''میرے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا'' یا ''میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔'' (صحیح مسلم) یا یہ کہ ''میرے اہلِ بیت کا خیال رکھنا کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو'' (السنن الکبری للنسائي) یہ الفاظ صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد ان کے حقوق ادا کرنا، ان کی خبر رکھنا اور ان پر ظلم و زیادتی سے روکنا تھا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے انصار کے بارے میں وصیت فرمائی کہ ان کا خیال رکھنا اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنا۔ (صحیح بخاری، رقم: ۳۷۹۹، ۳۸۰۰) بلکہ نبی ﷺ نے انصار سے فرمایا:

((ستلقون بعدي أثرة، فاصبروا حتى تلقوني على الحوض.)) (صحيح بخاري، رقم: ۳۷۹۲، ۳۷۹۳)

''عنقریب تم میرے بعد حق تلفی دیکھو گے تو صبر کرنا، تا آنکہ تم مجھے حوضِ کوثر پر آ ملو۔''

جس میں اشارہ تھا کہ امارت تمھارے قبیلے میں نہیں ہو گی اور اُمراء مال سمیٹ لیں گے۔

انصار ہی نہیں، بلکہ عمومی طور پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی فرمایا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میرے بعد حق تلفی اور منکر اُمور دیکھو گے۔''

(صحیح بخاری، رقم: ۷۰۵۲)

چنانچہ یوں ہی ہوا، خلفائے راشدین کے بعد اس دور کا آغاز ہوا۔ کسے معلوم نہیں کہ اہلِ بیت کے خلاف خارجی اور ناصبی گروہ بنے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف خوارج اور روافض نے اودھم مچایا اور بنواُمیہ کے اکثر اُمراء نے خزانے بھرنے کی فکر کی، اس لیے غدیرِ خُم کا خطبہ انعقادِ خلافت کے لیے نہیں تھا، بلکہ اہلِ بیت سے مودّت اور ان کے حقوق کی پاسداری کی تاکید کے لیے تھا۔ اور یہی تاکید و تلقین انصار اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے محبت کو اِیمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنے کو نفاق کی علامت قرار دیا اور ان کے بارے میں زبان درازی سے منع فرمایا جس کا تفصیلی ذکر ہم ''مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں کر چکے ہیں۔

۱۲: امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ خیبر کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ آپ اکیلے آئیں، کسی کو ساتھ نہ لائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر فرمایا: اے ابوبکر!

"إنا قد عرفنا فضلك وما أعطاك الله، ولم ننفس عليك خيرا ساقه الله إليك."

''ہم آپ کی فضیلت اور بزرگی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، اسے جانتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت (یعنی خلافت) دی ہے، اس پر ہم حسد نہیں کرتے۔''

مگر ہمیں یہ برا محسوس ہوا کہ آپ نے اکیلے ہی حکومت حاصل کر لی۔ ہم یہ خیال کرتے تھے کہ اس مشورے میں ہمیں شریک کیا جائے گا کیوں کہ ہمیں آنحضرت ﷺ سے قرابت تھی۔ پھر (حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسو بہنے لگے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی اور فرمایا:

"والذي نفسي بيده، لقرابة رسول الله ﷺ أحب إلي أن أصل من قرابتي."

''مجھے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آنحضرت ﷺ کی قرابت کا خیال مجھے اپنے قرابت داروں سے زیادہ محبوب ہے۔''

اور یہ اموال (یعنی فدک، بنونضیر، خیبر کا خمس) جن کی وجہ سے میرے اور آپ کے مابین جھگڑا ہو گیا تو میں نے اس کے بارے میں وہی کیا جو بہتر ہے، میں نے وہی کیا جو آنحضرت ﷺ کیا کرتے اور کسی معاملے میں فرق نہیں کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"موعدك العشية للبيعة."

''آپ سے ہمارا وعدہ ہے کہ آج ظہر کے وقت ہم بیعت کر لیں گے۔''

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی تو منبر پر تشریف لے گئے، خطبہ پڑھا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حال، یعنی مقام و مرتبہ بیان کیا اور اب تک بیعت نہ کرنے کا عذر پیش کیا اور ان کے لیے بخشش کی دعا کی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے، ان کے حقوق بتلائے اور فرمایا:

''میں نے جو اب تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی تو اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی حسد یا ان کی فضیلت اور بزرگی سے کوئی انکار تھا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہے، لیکن ہم یہ سمجھتے تھے کہ خلافت کے معاملے میں ہماری رائے بھی انھیں لینی چاہیے۔ انھوں نے ہم سے رائے نہ لی اور اپنے آپ ہی حکومت لے لی جس کا ہمیں رنج ہوا۔''

مسلمانوں نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو وہ خوش ہوئے اور انھوں نے کہا: آپ نے صحیح فرمایا۔ (صحیح بخاری: کتاب الجہاد، باب قول النبی ﷺ: لا نورث، ما ترکنا فھو صدقة، رقم: ۴۲۴۰، ۴۲۴۱، صحیح مسلم، رقم: ۱۷۵۹)

اس صحیح حدیث سے بھی خطبہ غدیرِ خُم کے حوالے سے مزعومہ دعاوی کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ نے خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کا اعلان فرمایا ہوتا تو کیا وہ کہہ سکتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ کو خلافت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اور ہمیں اس بارے میں کوئی حسد نہیں! اس سے ان ضعیف، بلکہ موضوع روایات کی بھی تردید ہو جاتی ہے جن میں ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو خلافت کا حق دار قرار دیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کرتے، فاتحِ خیبر رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں اس کے ذکر سے کون سا امر مانع تھا؟

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے مقام و مرتبے کے معترف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوائل میں اگرچہ خاموشی اختیار کیے رکھی، لیکن انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی اختلاف کا اظہار نہیں کیا اور نہ اس معاملے میں لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی، بلکہ ہمیشہ ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھیں اور ان کی اطاعت اور ہم نوائی فرمائی۔ (جاری ہے)

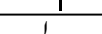

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشاد الحق اثری حفظہ اللہ

۱۳: کیا اہلِ بیت میں سے کسی نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کا یا ان کی افضلیت کا انکار کیا ہے؟ قطعاً نہیں! خلافت سے انکار تو کجا، وہ تو ان کے دور میں ان کے مشیر رہے اور اُمورِ مملکت میں ان کے معاون اور مددگار بنے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کسی مسئلے میں مشورے کی ضرورت محسوس کرتے تو حضرت عمر، عثمان، علی، عبدالرحمان بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے۔ (ابن سعد)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرتدین کے خلاف بنفسِ نفیس نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سواری کی لگام تھام لی اور فرمایا: اے خلیفۂ رسول اللہ! کہاں جا رہے ہیں، رُک جائیے۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو پھر یہ نظام قائم نہیں رہے گا۔ (البدایۃ: ۶/ ۳۱۵)

اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تاریخ کی ابتدا سن ہجری سے رکھنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر اِعتماد کیا۔ بیت المقدس کی فتح، مدائن اور نہاوند کی جنگ، فارسیوں اور رومیوں سے جہاد کے آغاز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔ جنگِ نہاوند کے لیے مشورے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''امیر المومنین! آپ جانتے ہیں کہ اس دینِ اسلام کی نصرت اور ذلت (یعنی فتح وشکست) کثرت وقلت پر موقوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور وہ اپنے لشکر کی مدد کرے گا۔ یہ وہ لشکر ہے جس کو اللہ نے عزت دی اور فرشتوں سے اس کی مدد کی، حتیٰ کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا۔ ہمارے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا۔ اے امیر المومنین! آپ کی حیثیت مسلمانوں میں ہار کے دھاگے کی ہے، وہ ہار کے دانوں کو جمع کیے رکھتا اور روکے رکھتا ہے۔ اگر دھاگا ٹوٹ جائے تو تمام دانے بکھر جاتے ہیں اور اِدھر اُدھر چلے جاتے ہیں، پھر وہ کبھی اس طرح جمع نہیں ہوتے۔ عرب اگرچہ آج تعداد میں کم ہیں، لیکن اسلام کی بنا پر وہ زیادہ اور غالب ہیں۔''

دوسرے صحابہ نے بھی مشورہ دیا، مگر لکھا ہے کہ

"فأعجب عمر قول علي وسر به."

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول پسند آیا اور اس سے انھیں خوشی ہوئی۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مشورہ کرتے تو اس پر عمل سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے۔

(البدایۃ: ۷/ ۱۰۷، الاموال لابی عبید، ص: ۲۵۲ وغیرہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان مشوروں کا ذکر ''نہج البلاغہ مع ابن ابی الحدید'' (۲/ ۴۰۴، ۴۰۵، ط: دار احیاء التراث، بیروت) میں بھی ہے۔

فتح بیت المقدس کے لیے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر وہاں جانے کا فیصلہ فرمایا، بلکہ اپنے بعد مدینہ طیبہ کا انتظام وانصرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس جانے والے قافلے میں سب سے آگے تھے۔ (البدایۃ: ۷/ ۵۵)

شیخ محمد الحاجی نے تو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام "علي بن أبي طالب مستشار أمين الخلفاء

الراشدین'' لکھی ہے۔

غور فرمائیے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے یہ تعاون، چہ معنی دارد؟ اگر (معاذ اللہ) وہ ظالم تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعاون کی پوزیشن کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿وَلَا تَرْكَنُوٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾

[هود: ١١٣]

''اوران لوگوں کی طرف مائل نہ ہونا جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں آگ آ لپٹے گی۔''

اگر یہ تعاون صحیح تھا تو آج یہ تعاون وتکریم کیوں نہیں؟ ایسا تعاون اور ان کی مجلسِ شوریٰ کے رکنیت ہی نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے عرض کیا:

"أي الناس خير بعد رسول الله ﷺ؟"

''رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر انسان کون ہے؟''

تو انھوں نے جواباً فرمایا: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ'' میں نے عرض کیا: پھر ان کے بعد؟ فرمایا: ''پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ'' محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں ڈر گیا کہ کہیں ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لیں تو میں نے عرض کیا: پھر آپ؟ انھوں نے فرمایا: ''میں تو مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔'' (صحیح بخاری، رقم: ٣٦٧١)

بعض روایات میں ہے کہ یہ قول واقعۂ نہروان، یعنی خوارج سے لڑائی کے بعد کا ہے۔ اور یہ لڑائی ٣٨ھ کو ہوئی تھی۔ (فتح الباری: ٧/٣٣) جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ٤٠ھ کے ماہِ رمضان میں شہید ہوئے۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان کی شہادت سے دو سال قبل کا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہی بات انھوں نے کوفہ کے منبر پر بھی کہی۔

علاوہ ازیں یہ قول تنہا محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے منقول نہیں ہے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ قول بیان کرنے والوں کی تعداد اسّی (٨٠) ہے۔ (منہاج السنہ: ١/٢١٣، إزالة الخفاء (فارسی): ١/٣١٦، عربی ایڈیشن: ١/٣٧٧)

بہت سے حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کو متواتر قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم نے "إزالة الخفاء" کے عربی ایڈیشن کے حاشیے میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جسدِ خاکی کو چارپائی پر رکھا گیا۔ تمام لوگ اس کے گردوپیش میں ہوگئے، ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ ابھی جنازہ نہیں اٹھایا گیا تھا اور میں بھی ان میں سے تھا۔ میں اس وقت گھبرا گیا جب پیچھے سے ایک شخص نے میرا کندھا پکڑا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، وہ کہہ رہے تھے:

''عمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ میں اس جیسے اعمال پر اللہ سے ملنے کی آرزو کروں۔ اللہ کی قسم، میرا غالب گمان یہی ہے کہ اللہ آپ کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا (قبر میں بھی اور جنت میں بھی)۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بارہا سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: میں گیا اور ابوبکر وعمر (بھی گئے)، میں اندر آیا اور ابوبکر وعمر (بھی آئے)، میں باہر نکلا اور ابوبکر وعمر بھی باہر نکلے (رضي الله عنهم أجمعين)۔''

(صحیح بخاری، رقم: ٣٦٨٥، ٣٦٧٧، صحیح مسلم)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت کے قائل تھے، بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال پر رشک کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ قبرِ اطہر اور منبر کے مابین رکھا ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور صفوں کے سامنے کھڑے ہوگئے، پھر تین بار فرمایا:

"رحمة الله عليك، ما من خلق الله أحد

أحب إلي من أن ألقاه بصحيفة بعد صحيفة النبي ﷺ من هذا المسجى عليه ثوبه." (مسند أحمد، رقم: ٨٦٦، ٨٦٧ وغيره. حسن لغيره)

''آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ نبی کریم ﷺ کے بعد مخلوق میں سے میرے نزدیک کوئی بھی اس کفن پوش سے زیادہ محبوب نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس جیسے نامۂ اعمال کے ساتھ ملوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے أبو جعفر محمد بن علي بن حسين عن علي سے روایت کیا ہے جسے امام محمد نے کتاب الآثار (رقم:٨٦٦)، قاضی ابو یوسف نے بھی کتاب الآثار (رقم:٩٢٧) اور امام ابونعیم نے مسند ابی حنیفہ (ص:٢٧) میں نقل کیا ہے۔ امام ابونعیم نے فرمایا ہے: یہ اگرچہ مرسل ہے، مگر یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحیح اور جید احادیث میں شمار ہوتا ہے۔ ابن سعد نے متعدد طرق سے اسے ذکر کیا۔ (طبقات:٣/٣٧٠، ٣٧١، تاريخ المدينة لابن شبه:٣/٩٣٧)

ہم یہاں اہلِ بیت کے مزید اقوال ذکر کر کے اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتے، البتہ اس حوالے سے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"والنقل الثابت عن جميع علماء أهل البيت من بني هاشم من التابعين وتابعيهم من ولد الحسين بن علي وولد الحسن وغيرهما أنهم كانوا يتولون أبابكر وعمر، وكانوا يفضلونهما على علي، والنقول عنهم ثابتة متواترة." (منهاج السنة: ٤/١٠٥)

''اہلِ بیتِ بنو ہاشم کے تمام تابعی علماء، اسی طرح حضرت حسین بن علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے تبع تابعی اہلِ علم سے صحیح طور پر منقول ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتے تھے اور ان دونوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔ اور ان سے یہ نقول تواتراً ثابت ہیں۔''

اس کے بعد انھوں نے ان کے ان اقوال کے مخارج ومراجع ذکر فرمائے ہیں، شائقین ان کی مراجعت کر سکتے ہیں۔ یہاں اس کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی۔

ہماری ان گزارشات سے واضح ہو جاتا ہے کہ خطبۂ غدیرِ خُم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت کا قطعاً اعلان نہ تھا، البتہ اہلِ بیت، بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مودّت واخوت کا ناتا رکھنے کی تاکید تھی۔ اہلِ بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خصوصی طور پر ذکر ایک پس منظر کی بنا پر تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ اہلِ بیت میں سے کسی کا ذکر نہیں فرمایا، بالخصوص حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی کوئی بات اِرشاد نہیں فرمائی۔ اگر آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا علم ہوتا (جیسا کہ روافض آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب قرار دیتے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں) تو لختِ جگر کے بارے میں وفاداری کی نصیحت ضرور فرماتے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ان کی امامت کے لیے نہیں تھا، بلکہ لشکر کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شکوہ وشکایت تھی، اس کے ازالے کے لیے ان کے مقام ومرتبے کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ لشکر مدینہ طیبہ کے افراد پر مشتمل تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ جب حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ کے راستے پر تھے تو غدیرِ خُم کے مقام پر انھی کو یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اگر امامت وخلافت جیسے اہم مسئلے کا اعلان مقصود ہوتا تو اس کا محل مکہ مکرمہ تھا جہاں میدانِ عرفات اور منیٰ میں آنحضرت ﷺ نے خطبات اِرشاد فرمائے اور ہر چہار جانب سے آنے والے.....(باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

بقیہ: خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے سب کو وہ خطبات سنوا رہے تھے، چنانچہ حضرت عبدالرحمان بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منٰی میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ اِرشاد فرمایا۔ ہمارے کانوں کو کھول دیا گیا، یہاں تک کہ ہم جہاں جہاں اپنے خیموں میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرما رہے تھے، ہم سن رہے تھے۔ (ابوداود مع العون: ۲/۱۴۴، نسائی)

اس لیے اِمامت کے اہم مسئلے کا اگر اعلان مقصود تھا تو وہ عرفات یا منٰی میں کیا جاتا، تاکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے آگاہ ہو جاتے۔ مگر ایسا نہیں کیا، بلکہ جو کچھ فرمایا، وہ اہلِ مدینہ سے مدینہ طیبہ کے راستے پر فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت اِمامت کے لیے نہیں تھی، بلکہ ان سے اُخوت ومودّت کی تاکید کے لیے تھی کیوں کہ اہلِ مدینہ پر مشتمل لشکر ہی کو ان سے شکوہ تھا۔ (جاری ہے)

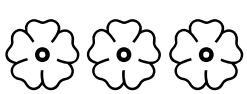

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ۴

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشاد الحق اثری حفظہ اللہ

اہلِ بیت کون ہیں؟

غدیرِ خُم کے خطبے میں جو بار بار اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا، اس بارے میں پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہلِ بیت سے کون مراد ہیں۔

اہلِ بیت سے مراد گھر والے ہیں، چنانچہ علامہ راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أهل الرجل" ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اس کے ہم نسب یا ہم دین ہوں اور یا کسی صنعت یا مکان میں شریک ہوں، یا ایک شہر میں رہتے ہوں۔ اصل میں "أهل الرجل" تو وہ ہیں جو کسی کے ساتھ اس کے مسکن میں رہتے ہوں، پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر "أهل بیت الرجل" کا لفظ بولا جانے لگا ہے۔ اور عرف میں آنحضرت ﷺ کے خاندان پر بولا جانے لگا کیوں کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [الأحزاب: ۳۳]

''اے پیغمبر کے اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے۔''

اور کبھی "أهل الرجل" سے مراد بیوی ہوتی ہے۔ "أهل الإسلام" کے معنی مسلمان قوم کے ہیں۔ شریعت نے اکثر احکام میں کافر اور مسلمان کے مابین چونکہ نسبی تعلق کو کالعدم قرار دیا ہے، اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ [ھود: ٤٦]

''یہ تیرے خاندان سے نہیں ہے، اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔'' (مفردات القرآن)

علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں ''اہل'' کا اِطلاق دس معنوں میں ہوا ہے۔ اس کی تفصیل یہاں ضروری نہیں، شائقین بصائر ذوي التمییز (۲/۸۴) ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں انھوں نے ایک معنی یہ کیے ہیں کہ ''اہل'' عترۃ، عشیرۃ، اولاد واحفاد اور ازواج کے معنی میں مستعمل ہے، جیسے فرمایا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [طه: ۱۳۲]

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس پر خوب پابند رہ۔''

اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [الأحزاب: ۳۳]

''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو!'' (بصائر ذوي التمییز)

یہی بات دیگر ائمۂ لغت نے کہی ہے۔

جیسے ہم کہتے ہیں: ''اہلِ مکہ'' مکہ میں بسنے والے، ''اہلِ مدینہ'' مدینہ طیبہ میں رہنے والے اور "أهل القری" بستی میں رہنے والے۔ اسی طرح ''اہلِ بیت'' گھر میں رہنے والے۔ ظاہر ہے کہ گھر میں بیوی، بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہوتیں ہیں اور ان سب پر ''اہلِ بیت'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر ہے کہ جب وہ مدین سے پلٹے تو ان کے ہمراہ ان کے گھر والے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ﴾

[القصص: ٢٩]

''پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے۔''

ایک اور مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے بارے میں فرمایا:

﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ [النمل: ٧]

''جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: بلاشبہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے اور انھوں نے بیٹے حضرت اسحاق اور پوتے حضرت یعقوب علیہما السلام کی بشارت دی تو اہلیہ حضرت سارہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ کیا جب میرا خاوند بوڑھا ہو گیا ہے اور میں بھی بوڑھی ہو گئی ہوں تو کیا میں بیٹا جنوں گی؟ تو فرشتوں نے کہا:

﴿اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ [هود: ٧٣]

''کیا تُو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔''

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''اہلِ بیت'' کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کے لیے مزید دیکھیے سورۃ القصص، آیت: ١٢، سورت یوسف، آیت: ٢٥۔

اب یہ کتنا المیہ ہے کہ ان آیات میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی بیویاں تو اہلِ بیت ہوں، مگر آنحضرت ﷺ کی بیویاں اہلِ بیت میں شامل نہ ہوں! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر عبداللہ بن اُبی نے تہمت لگائی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عرشِ عظیم سے ان کی پاک دامنی کا اعلان سورۃ النور میں قرآن بنا کر نازل فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کو قرآنِ مجید میں اظہارِ براءت سے قبل سخت صدمہ پہنچا، حتیٰ کہ آپ نے برسرِ منبر ارشاد فرمایا:

((يا معشر المسلمين! من يعذرني من رجل قد بلغني أذاه في أهل بيتي .))

(صحيح بخاري، رقم: ٤٧٥٠)

''اے مسلمانوں کی جماعت! کون میری حمایت کرتا ہے، یا کون میری مدد کرتا ہے ایسے شخص کے مقابلے میں جس کی اِیذا رسانی میرے گھر والوں تک پہنچ گئی ہے۔''

اس حدیث میں بھی ''أهل بيتي'' سے بلا اختلاف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

اسی طرح صحیح بخاری ہی میں ہے کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ نے نکاح کیا، دعوتِ ولیمہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ جا رہے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جا چکے تو بقیہ کھانا اُٹھا لینے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا، مگر تین اصحاب گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

((السلام عليكم أهل البيت ورحمة الله))

تو اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی کہا:

"وعليك السلام ورحمة الله، كيف وجدت أهلك؟ بارك الله لك ."

''آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ (یعنی پسند آئی یا نہیں؟) اللہ آپ کو برکت دے۔''

اس کے بعد باقی تمام ازواج کے گھروں میں تشریف لے گئے اور سب کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح سلام کیا اور سب نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ (صحیح بخاری: کتاب التفسیر، باب ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾، رقم: ٤٧٩٣)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو آنحضرت ﷺ ''اہلِ بیت'' سمجھتے اور کہتے ہیں۔ اب آنحضرت ﷺ

کی اُمت کو بھی انھیں اہلِ بیت سمجھنا چاہیے یا نہیں؟ فاعتبروا یا أولی الأبصار!

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۲۸ میں فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے۔''

پھر آیت نمبر ۳۰ میں فرمایا:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ﴾

''اے نبی کی بیویو!''

یہی الفاظ آیت نمبر ۳۲ میں ہیں اور تمام خطابات میں الفاظِ صیغہ مونث اِستعمال ہوئے ہیں۔ آیت نمبر ۳۳ میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو مخاطب کرتے ہوئے نماز پڑھنے، زکاۃ دینے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دے کر فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۝﴾ [الأحزاب: ۳۳]

''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دُور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے خوب پاک کرنا۔''

اس کے بعد آیت نمبر ۳۴ میں پھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾

''اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، انھیں یاد کرو۔''

یہ سارا سیاق وسباق اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ اہلِ بیت سے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں اور آنحضرت ﷺ کی دعا سے اس میں حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہو گئے۔

مگر روافض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس آیتِ تطہیر کا مصداق تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا شبہ یہ ہے کہ ﴿لِیُذْهِبَ عَنْكُمْ﴾ میں ضمیر مذکر اِستعمال ہوئی ہے، اس لیے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بیویاں مراد نہیں ہیں۔

قرآنِ پاک میں تحریف کا اظہار:

حتیٰ کہ حکیم حافظ سید فرمان علی رافضی نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''بعض اہلِ سنت کا خیال ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں اور مدح وثنا اور اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر ازواج مقصود ہوتے تو جس طرح ماقبل ومابعد کی آیت میں ضمیر جمع مونث حاضر تھی، اس میں بھی باقی رہتی، بلکہ اگر اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل ومابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی، بلکہ اور ربط بڑھ جاتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں، بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کی گئی ہے۔'' (حاشیہ سید فرمان علی، ص: ۶۷۳، مطبوعہ: محمد علی چاولہ اینڈ کمپنی لمیٹڈ، کراچی)

انا للہ وانا الیہ راجعون! کیا یہ قرآنِ مجید میں تحریف اور تبدیلی کا اقرار واعتراف نہیں؟ امرِ واقع یہ ہے کہ سوائے چند ایک روافض کے، باقی سب قرآنِ مجید میں تحریف کے قائل ہیں، جیسا کہ شہیدِ ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے ''الشیعة والقرآن'' میں تفصیل سے ذکر کیا۔ اور جو تحریف کا انکار کرتے ہیں، وہ بھی تقیتاً انکار ہے۔ سید فرمان علی کے الفاظ اقرارِ تحریف کا بیّن ثبوت ہے۔

یہ موضوع وسیع الذیل ہے، مگر ہمارا یہ موضوع نہیں، اس لیے اس سے ہم صرفِ نظر کرتے ہیں۔ آیت کی مناسبت سے ہم نے یہ قول ذکر کیا ہے۔ تنہا سید فرمان علی نہیں، بلکہ شیعہ اہلِ علم کی ایک جماعت نے یہی موقف اختیار کیا، چنانچہ ''محقق آیت اللہ'' العظمیٰ شیرازی کے زیرِ نظر جو تفسیر مرتب کی گئی جس کا ترجمہ سید صفدر حسین نجفی نے کیا اور

''تفسیر نمونہ'' کے عنوان سے مصباح القرآن ٹرسٹ (لاہور) سے شایع ہوا، اس میں بھی منقول ہے:

''ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ .... ﴾ کا جملہ ان آیات کے ساتھ نازل ہوا ہے، بلکہ روایات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ علیحدہ نازل ہوا ہے، لیکن پیغمبر اکرم ﷺ کے دور میں آیاتِ قرآن کی جمع آوری کے موقع پر، یا اس کے بعد ان آیات کے ساتھ قرار دیا گیا۔'' (تفسیر نمونہ: ۹/ ۶۲۶)

اس سے متعلقہ متعدد باتیں قابلِ بحث ہیں، مگر ہمارا یہ موضوع نہیں۔ ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان حضرات نے ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ﴾ میں ضمیر مذکر کی وجہ سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس آیت سے نکال دیا، بلکہ اس آیت کا یہاں ذکر ہونے پر قرآنِ مجید میں تحریف وتبدیلی کا اظہار بھی کیا۔ حالانکہ اگر یہ حضرات قرآنِ مجید ہی پر غور فرما لیتے تو شاید تحریف کے اظہار کی جسارت نہ کرتے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ کو جب بیٹے حضرت اسحاق اور پوتے حضرت یعقوب علیہما السلام کی بشارت دی گئی اور انھوں نے بڑھاپے میں اولاد ہونے پر تعجب کا اظہار کیا تو فرشتوں نے ان سے کہا:

﴿أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [هود: ۷۳]

''کیا تُو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو!''

یہ آیت نصف النہار کی طرح روشن دلیل ہے کہ بیوی اہلِ بیت ہوتی ہے، جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں اور عورت کو یا اہلِ بیت کو ''کم'' کی مذکر ضمیر کے ساتھ مخاطب کیا جا سکتا ہے، جیسے آیتِ تطہیر میں ''عنکم'' مذکر کی ضمیر ہے، یعنہ سورۂ ہود میں ''علیکم'' بھی ضمیر مذکر ہے، اس لیے اہلِ بیت، یعنی خواتین کے لیے مذکر کی ضمیر استعمال ہوتی ہے، لہٰذا محض اس ضمیر کی وجہ سے تحریف تک کا دعویٰ بالکل باطل اور مذہبی خواہش پرستی کا نتیجہ ہے۔

آیتِ تطہیر کی شانِ نزول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ

''نزلت في نساء النبي ﷺ خاصة .'' (ابن كثير: ٦٣٨/٣، الاستيعاب في بيان الأسباب: ١٠٤/٣)

''یہ آیت خاص طور پر نبیِ کریم ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

عکرمہ بھی یہی فرماتے تھے، بلکہ بازار میں اس کا اعلان واظہار کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

اس کے برعکس حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ یہ آیت پانچ حضرات کے بارے میں نازل ہوئی، میرے بارے میں، یعنی آنحضرت ﷺ کے بارے میں اور علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔ (ابن جریر بحوالہ ابن کثیر: ۶۴۱/۳) تو یہ روایت ضعیف ہے کیوں کہ عطیہ بن سعید عوفی:

''صدوق يخطئ كثيرا، كان شيعيا مدلسا .''

(تقريب، ص: ٢٤٠)

''صدوق اور بکثرت خطا کرتا تھا، شیعہ اور مدلس تھا۔''

اور طبقات المدلسین (ص: ۵۰) میں ہے:

''ضعيف الحفظ، مشهور بالتدليس القبيح .''

''اس کا حافظہ کمزور ہے۔ بڑی بُری تدلیس میں مشہور ہے۔''

وہ روایت بیان کرتا ہوا ''عن أبي سعيد'' کہتا اور خاموش ہو جاتا۔ یوں وہ وہم دلاتا کہ وہ ابوسعید الخدری ہیں، حالانکہ وہ ابوسعید الکلبی ہوتا۔ (تہذیب: ۲۲۶/۷)

اور یہ روایت بھی معنعن ہے، اس لیے یہ روایت بالکل ضعیف

ہے۔اس کے تشیع کا یہ عالم تھا کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہتا تھا۔(ایضاً)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے تو اس کے ایک اور راوی بکر بن یحییٰ کو ضعیف کہا ہے۔(مجمع:۹/۱۶۷)

اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس آیت کا مصداق ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں اور متعدد احادیث کی بنا پر حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی اس کا مصداق ہیں، چنانچہ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، جن کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی، فرماتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا (یعنی ان کی والدہ) کے گھر میں نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انھیں ایک چادر کے اندر کرلیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی پیٹھ کے پیچھے تھے تو انھیں چادر کے اندر کرلیا، پھر فرمایا:

((اللّٰهم هؤلاء أهل بيتي ، فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا .)) قالت أم سلمة: وأنا معهم يا رسول الله ﷺ! قال: ((أنت على مكانك وأنت إلى خير .)) (ترمذي، رقم: ۳۷۸۷، ۳۲۰۵. صحيح)

''اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے گندگی دور کردے اور انھیں پاک کردے خوب پاک کرنا۔'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تُو اپنی جگہ پر ہے اور تُو خیر کی طرف ہے۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ آیت حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نازل ہوئی اور حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں دعا سے پہلے نازل ہوئی۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر کے حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو اہلِ بیت میں شامل کیا۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد تھا کہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں تو کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کا علم نہیں تھا کہ یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں؟ (معاذ اللہ)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیتِ تطہیر بطور خبر نہیں تھی۔اگر خبر ہوتی تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد وثنا کرنی چاہیے تھی کہ اہلِ بیت کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔مجرد دعا پر اِکتفانہ فرماتے۔(مزید ملاحظہ فرمائیں منہاج السنہ:۲/۱۱۷)

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر کے انھیں بھی اہلِ بیت میں شامل کرنے، ان سے گندگی دور کرنے اور انھیں پاک صاف کرنے کی دعا فرمائی۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس دعا میں شریک کرنے کی التماس کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تو پہلے ہی اس مقام ومرتبے اور خیر پر ہو۔بھلا جس کے گھر میں یہ آیت نازل ہوئی، وہ اس کے مصداق سے خارج کیسے ہوسکتی ہے!

اسی مفہوم کی روایت صحیح مسلم (رقم: ۲۴۲۴) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ترمذی (رقم:۳۸۷۱)، مسند احمد (۶/۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۸)، مسند اسحاق (رقم:۱۸۷۴) وغیرہ کتب میں سندِ حسن وصحیح سے مروی ہے۔ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ہمارا مقصد سب روایات کا استیعاب نہیں، بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ اس آیت کا مصداق ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حضرت فاطمہ، حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

البتہ وہ روایات جن میں ذکر ہے کہ چھ ماہ تک، ایک روایت میں ہے سات ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے دروازے پر تشریف لے جاتے اور فرماتے: "السلام عليكم أهل البيت!" پھر یہ آیتِ تطہیر تلاوت فرماتے۔تو یہ سب روایات ضعیف ہیں۔

(مجمع الزوائد:۹/۱۶۸۱،۱۶۹)

اسی مفہوم کی ایک روایت ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مگر وہ بھی ضعیف ہے۔ (جاری ہے)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ۵

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشادالحق اثری حفظہ اللہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بڑی نفیس بات فرمائی ہے کہ آیتِ تطہیر کا سیاق ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہے، اسی لیے اس کے بعد بھی انھیں مخاطب فرمایا گیا ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ [الأحزاب: ٣٤]

''اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، انھیں یاد کرو۔''

یہ شرف خاص طور پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حاصل ہے کہ ان کے گھروں میں وحی نازل ہوتی تھی، ان کے علاوہ کسی اور کے گھر میں وحی کا نزول ثابت نہیں۔ اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ خاص اعزاز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ لحاف میں لیٹے ہوتے تو اس حالت میں بھی وحی نازل ہوتی تھی، اس لیے اس کا مصداق بہرحال ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں اور وہ اہلِ بیت ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار بھی آیتِ تطہیر کا مصداق ہیں۔

اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ﴾ [التوبة: ١٠٨]

''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے۔''

سیاق وسباق کے اِعتبار سے اس مسجد سے مراد مسجد قبا ہے کیوں کہ اس کی بنیاد، مسجد ضرار کے برعکس، پہلے روز ہی سے تقوے پر تھی، لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے مسجد کے بارے میں بحث کی کہ اس آیت میں کون سی مسجد مراد ہے۔ ایک نے کہا کہ مسجد قبا مراد ہے اور دوسرے نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مراد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا:

((هو مسجدي هذا .))

''وہ میری یہ مسجد ہے۔'' (ترمذی، رقم: ۳۰۹۹۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن صحیح'' کہا ہے)

یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر کتبِ احادیث وتفاسیر میں منقول ہے۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۱۲، ۵۱۳)

جیسے یہاں سیاقِ قرآن میں تو مسجد قبا مراد ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنی مسجد مبارک کو بھی شامل فرمایا ہے، بالکل یہی معاملہ آیتِ تطہیر کا ہے کہ سیاق وسباق تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو بھی شامل کیا ہے۔ (ابن کثیر)

یہی بات شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی منہاج السنة (۴/ ۲۱) میں فرمائی ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت خطبہ غدیرِ خُم کے حوالے سے پہلے ہم بحوالہ صحیح مسلم (رقم: ۲۴۰۸) نقل کر آئے ہیں جس کے آخر میں تین بار یہ فرمان ہے:

((أذكر كم الله في أهل بيتي .))

''میں تمھیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں۔''

حصین بن سبرہ رحمہ اللہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ کے اہلِ بیت نہیں ہیں؟ تو

انھوں نے فرمایا:

"إن نساءه من أهل بيته ، ولكن أهل بيته من حرم الصدقة بعده ." قال: ومن هم؟ قال: "هم آل علي وآل عقيل وآل جعفر وآل عباس ." قال: أكل هؤلاء حرم الصدقة؟ قال: "نعم ." (صحيح مسلم، رقم: ٢٤٠٨)

''آنحضرت ﷺ کی بیویاں آپ کے اہلِ بیت میں سے ہیں، لیکن اہلِ بیت وہ ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے۔'' حصین بن سبرہ رحمہ اللہ نے کہا: وہ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ''وہ حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی آل اولاد ہے۔'' حصین رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''ہاں۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں آپ کے اہلِ بیت ہیں۔

رہی یہ بات کہ اہلِ بیت سے مراد وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے تو کیا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے صدقہ حرام نہیں تھا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگرچہ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اس حرمت کے حکم میں شامل نہیں، مگر امام خلال رحمہ اللہ نے بواسطہ ابن ابی مُلیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"إنا آل محمد ﷺ، لا تحل لنا الصدقة ."

''ہم حضرت محمد ﷺ کی آل ہیں، ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (رقم: ۱۰۸۱۱، ۳۷۶۶۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

(فتح الباری: ۳/۳۵۶)

یہی بات علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے۔

(عمدۃ القاری: ۹/۸۷)

آلِ نبی ﷺ کون کون ہیں:

پہلے یہ دیکھیے کہ "آل" کے بارے میں ائمہ لغت نے کیا کہا ہے، چنانچہ علامہ راغب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ "آل" اصل میں ''أهل'' ہے کیوں کہ اس کی تصغیر "أهيل" آتی ہے۔ ''ھ'' کو ہمزہ سے بدلا گیا تو یہ "أَهْل" ہوا۔ اس کے ثقل کو دُور کرنے کے لیے "آل" کہا گیا۔

بعض نے کہا ہے کہ "آل" دراصل بمعنی شخص ہے۔ اس کی تصغیر "أُوَيْل" ہے۔ یہ اس شخص کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس کا دوسرے کے ساتھ ذاتی تعلق ہو؛ قریبی رشتہ داری یا ویسے تعلق ہو، جیسے: آلِ ابراہیم، آلِ عمران، آلِ فرعون ہے۔ (مفردات)

علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں یہ تین معنوں میں مستعمل ہے:

(۱) بمعنی قوم اور تبع، جیسے آلِ فرعون ہے۔

(۲) بمعنی اہلِ بیت اور جو گھر میں موجود ہیں، جیسے سورۃ القمر (آیت: ۳۴) میں ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ﴾

''بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ایک ہوا بھیجی، سوائے لوط کے گھر والوں کے۔''

(۳) قرابت دار اور تمام اولاد، جیسے: آلِ ابراہیم اور آلِ عمران فرمایا گیا ہے۔ (بصائر ذوي التمييز: ۲/۱۶۲)

''آل'' کی اضافت کسی اسم نکرہ، یا زمانہ، یا مکان کی طرف درست نہیں، اس لیے "آل رجل" اور "آل مکان" کہنا درست نہیں۔ البتہ اہلِ مکان، اہلِ بلد، اہلِ زمن درست ہے، بلکہ اس اضافت ناطقین انسان میں ہمیشہ عَلَم کی طرف ہوتی ہے، اسی طرح یہ ہمیشہ صاحبِ شرف اور افضل ہستی کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

"آل النبي ﷺ" سے کون مراد ہیں، اس میں اختلاف ہے:

۱: بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ وہ کون ہیں، اس میں پھر اختلاف ہے: ① وہ بنو ہاشم ہیں۔ ② وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔ ③ وہ بنو ہاشم اور ان سے اوپر سب بنو غالب ہیں۔

۲: دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور نبی ﷺ کی اولاد مراد ہے۔

۳: اس سے قیامت تک نبی ﷺ کے تمام متبعین مراد ہیں۔

۴: اتقیاء واولیاء مراد ہیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے "جلاء الأفهام" میں ان چاروں اقوال کے دلائل ذکر کیے ہیں۔ اسی بحث کے لیے، نیز نبی ﷺ کے قرابت دار کون کون ہیں، اس کے لیے دیکھیے فتح الباری (۳/۳۵۴، ۷/۷۸، ۱۱/۱۶۰)، المجموع (۳/۴۶۶)، احکام القرآن لابن العربی، الشفاء مع شرح نسیم الریاض وغیرہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان، جسے اوپر ہم نے ابن ابی شیبہ اور ابن حجر کے حوالے سے نقل کیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی "آل" میں شامل ہیں اور ان پر بھی صدقہ حرام ہے۔ گو اس مسئلے میں اختلاف ہے، لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں "آل" میں شامل ہیں، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف کے عموماً الفاظ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ .))

جب کہ حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ہم آپ پر کیسے درود پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ یوں پڑھو:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ .)) (صحيح بخاري، رقم: ٦٣٦٠، ٣٣٦٩، صحيح مسلم، رقم: ٤٠٧، موطأ، أبوداود، النسائي وغيرها)

یہ صحیح حدیث اس بات کی واضح برہان ہے کہ عموماً جو درود شریف میں "آل محمد" کا لفظ آیا ہے تو اس میں "آل" سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور آنحضرت ﷺ کی ذرّیت مراد ہے۔ (التمهيد: ۱۷/۳۰۲، ۳۰۳، جلاء الأفهام ،ص:۲۷۶، ط: دارالکتب بتحقیق الشیخ مشہور بن حسن حفظہ اللہ)

علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا .))
(صحيح بخاري، رقم: ٦٤٦٠، صحيح مسلم، رقم: ١٠٥٥)

"اے اللہ! آلِ محمد کو رزق گزارے کے لائق دے۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

"ما شبع آل محمد ﷺ من خبز بر مأدوم ثلاثة أيام حتى لحق بالله . " (صحيح بخاري، رقم: ٥٤٢٣، ٥٤٣٨، صحيح مسلم، رقم: ٢٩٧٠)

"آلِ محمد ﷺ نے تین دن گندم کی روٹی سالن کے ساتھ پیٹ بھر کر نہیں کھائی، تا آنکہ آنحضرت ﷺ اللہ سے جا ملے۔"

یہ احادیث بھی اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ "آل محمد" سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ بات تو سب پر عیاں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد اور تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ان احادیث کا قطعاً

مصداق نہیں ہیں کیوں کہ ان میں اغنیاء بھی تھے۔''

(جلاء الأفهام،ص:۲۸۱)

اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے بھی ہوتی ہے۔ان کی خدمت میں بہت زیادہ مال آیا تو انھوں نے ایک ہی مجلس میں اسے تقسیم کر دیا۔ان کی لونڈی نے عرض کیا کہ کچھ درہم رکھ لیے ہوتے، تا کہ ہم ان سے گوشت خرید لیتے۔تو انھوں نے فرمایا: پہلے یاد کرایا ہوتا تو کچھ رکھ لیتی۔(مستدرک حاکم:۴/۱۳،ابن سعد:۸/ ۶۷،الأسخياء للدار قطني،رقم:۳۶،۳۷)

یہی موقف امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ہے کہ ''اہلِ بیت'' اور ''آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم '' میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن شامل ہیں۔

علاوہ ازیں قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ "آل إبراهيم" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج مراد ہیں،مگر "آل محمد" میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مراد کیوں نہیں؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ''آل'' میں شامل ہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھیے منہاج السنۃ:۴/۲۱)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ ''آل'' سے مراد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ہیں۔(القول البدیع،ص:۸۲،ط:سیالکوٹ)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بارے میں چار اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد بالآخر فرمایا ہے:

''صحیح پہلا قول ہے، اسی کے ساتھ دوسرا قول ملا ہوا ہے۔تیسرا اور چوتھا قول ضعیف ہے۔''

(جلاء الأفهام،ص:۲۸۶)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

''ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا یہ اِختصاص ہے کہ ان کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ہے (دوسرے انسانوں کی بیویوں کی طرح نہیں کہ خاوند فوت ہو جائے تو بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے)،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی۔ وہ دنیا میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ان کا یہ تعلق نسب کے قائم مقام ہے،اس لیے صحیح قول یہی ہے۔

اور یہ قول امام احمد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ صدقہ ان پر حرام ہے کیوں کہ صدقہ اولادِ آدم کی میل کچیل ہے اور اس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان جلیل القدر ہستیوں کو بچایا ہے۔

باعثِ تعجب یہ بات ہے کہ بیویاں "اللّٰهم اجعل رزق آل محمد قوتا" میں اور قربانی کے وقت آپ کے فرمان "اللّٰهم هذا عن محمد و آل محمد" میں اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ما شبع آل رسول الله ﷺ من خبز بر" میں اور "اللّٰهم صلی علی محمد و علی آل محمد" میں تو شامل ہوں لیکن "إن الصدقة لا تحل لمحمد و لا لآل محمد" صدقہ کی حرمت میں آل میں شامل نہ ہوں جبکہ صدقہ اوساخ الناس ہے اور ازواج مطہرات زیادہ حق دار ہیں وہ اس سے بچیں اور اس سے دُور رہیں۔

رہا یہ سوال کہ اگر صدقہ ان پر حرام ہوتا تو ان کے غلاموں پر بھی حرام ہوتا، جیسے بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہے تو ان کے غلاموں پر بھی حرام ہے، جب کہ حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے صدقے کو حرام قرار نہ دیا، جیسا کہ صحیح بخاری (رقم:۱۴۹۳) اور صحیح مسلم (رقم:۱۰۷۵) میں ہے۔اسی شبہے کی بنا پر عموماً ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر صدقہ حلال قرار دیا گیا ہے۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر صدقے کی حرمت اِصالتاً نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالتبع ہے،

ورنہ نبی ﷺ سے رشتۂ اِزدواج سے پہلے ان پر صدقہ حرام نہیں تھا، اس لیے وہ اس حرمت کے حکم میں فرع کی حیثیت سے ہیں۔ اور غلاموں پر صدقے کی حرمت ان کے مالک پر حرمت کی فرع کی بنا پر ہے، اس لیے جب بنوہاشم پر صدقے کی حرمت اِصالتاً ہے تو ان کے غلام ان کے بالتبع ہیں، مگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر صدقے کی حرمت اِصالتاً نہیں، بالتبع ہونے کے لحاظ سے ہے تو اس کا اثر ان کے غلاموں پر نہیں ہے کیوں کہ وہ فرع کی فرع ہیں۔''

(جلاء الأفهام،ص:۲۸۲،۲۸۳)

اس وضاحت سے یہ بات بالکل نکھر جاتی ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جیسے ''اہلِ بیت'' میں شامل ہیں، بالکل اسی طرح وہ آنحضرت ﷺ کی ''آل'' میں بھی شامل ہیں اور ان پر بھی صدقہ حرام ہے، جیسے دیگر آل پر حرام ہے۔ یہی موقف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے۔ (دیکھیے منہاج السنۃ:۲/ ۱۱۸، ۲۵۸)

''اہلِ بیت'' اور ''آل'' کے حقوق:

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہوں یا دیگر اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین ان پر زکاۃ وصدقہ حرام ہونے کی بنا ان کی ضروریاتِ زندگی کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ مالِ غنیمت میں سے جو خُمس ملتا تھا، اس میں انھیں حق دار بنایا۔ اور یہی حالت مالِ فَے کی تھی، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ [الأنفال: ٤١]

''اور جان لو کہ بے شک تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔''

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام تو بطور اصل مالک کے ہے کیوں کہ سب مال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اصل خُمس کے پانچ مصارف ہیں: اس میں سے ایک حصہ آنحضرت ﷺ اپنی اور اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی ضروریات کے لیے رکھتے تھے۔ ضروریات کے بعد عام مسلمانوں کی مصلحت پر، یا جہاد پر خرچ کرتے تھے۔ ﴿ذِی الْقُرْبٰی﴾ سے آنحضرت ﷺ کے قرابت دار مراد ہیں اور وہ بنوہاشم اور بنومطلب تھے۔ انھی دو قبیلوں نے نبی کریم ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔ ﴿اَلْیَتٰمٰی﴾ سے وہ نابالغ بچے مراد ہیں جن کے باپ فوت ہو چکے ہوں۔ ﴿اَلْمَسٰكِیْن﴾ وہ ہیں جن کی آمدنی ضرورت سے کم ہو۔ ﴿اِبْنِ السَّبِیْلِ﴾ یعنی مسافر۔

خمس کے علاوہ باقی مال مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا تھا۔

رہا مالِ فَے تو یہ وہ مال ہے جو جہاد کے بغیر محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا۔ دشمنوں سے کسی مڈبھیڑ کے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فتح ونصرت عطا فرماتا ہے اور دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیتا ہے، جیسے: یہودیوں کا قبیلہ بنونضیر تھا جو مدینہ طیبہ سے صرف دو میل کی مسافت پر تھا، یا بنوقریظہ، یا خیبر کا وہ علاقہ جو جنگ کے بغیر فتح ہوا، جیسے فدک وغیرہ۔

اس مالِ فَے میں مجاہدین کا کوئی حصہ نہیں، بلکہ یہ سب انھی پانچ مصارف میں تقسیم کرنے کا حکم ہے جن میں مالِ غنیمت کا خمس صرف کرنے کا حکم ہے۔ یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور اقرب الی الصواب ہے۔

مالِ فَے کے بارے میں یہ حکم سورۃ الحشر (آیت: ۷) میں بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''كانت أموال بني النضير مما أفاء الله على رسوله ﷺ مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب، فكانت لرسول الله ﷺ خاصة، ينفق على أهله منها نفقة سنته، ثم

يـجـعل ما بقي في السلاح والكراع عدة في سبيل الله. " (صحيح بخاري، رقم: ٤٨٨٥)

''بنونضیر کے اموال ان اموال میں سے تھے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بطورِ فے عطا فرمائے تھے، جن پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھے۔ آپ ان میں سے اپنے گھر والوں کو ایک سال کا خرچ دیتے اور جو باقی بچتا اُسے جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کے لیے اسلحے اور گھوڑوں میں صرف کر دیتے۔''

آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد یہی طریقہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا رہا، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا ہے:

((لا نورث، ما تركنا صدقة.))

''ہمارا (یعنی انبیاء علیہم السلام کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے۔''

دوسری بات انھوں نے یہ فرمائی:

"لست تاركا شيئا كان رسول الله ﷺ يعمل به إلا عملت به، فإني أخشى إن تركت شيئا من أمره أن أزيغ. " (صحيح بخاري، رقم: ٣٠٩٣)

''میں کوئی بات ایسی چیز والا نہیں جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ میں ڈرتا ہوں کہ آپ ﷺ کی کوئی بات چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جاؤں۔'' (جاری ہے)

تحقیق وتدقیق **قسط نمبر ٦**

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشاد الحق اثری حفظہ اللہ

حضرت ابوبکر ؓ کے بعد حضرت عمر ؓ خلیفہ بنے تو انھوں نے مدینہ طیبہ کا صدقہ، یعنی بنونضیر کے مالِ فَے کا انتظام وانصرام حضرت عباس اور حضرت علی ؓ کے مطالبے پر ان کے سپرد کر دیا، مگر جب ان کے مابین بھی اختلاف ہوا تو وہ حضرت عمر ؓ کے پاس آئے۔ اس وقت وہاں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت عباس ؓ نے کہا: امیرالمومنین! میرے اور اس (یعنی حضرت علی ؓ) کے مابین فیصلہ فرما دیجیے۔ حضرت عمر ؓ سے حضرت عثمان ؓ اور ان کے ساتھی کہنے لگے: ہاں امیر المومنین! ان کا فیصلہ کر دیجیے اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے بے فکر کر دیجیے۔

حضرت عمر ؓ نے کہا: میں تم سے اللہ کی، جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے۔'' یہ سن کر حضرت عثمان ؓ اور ان کے ساتھیوں نے کہا: بے شک آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے! پھر حضرت عمر ؓ حضرت عباس اور حضرت علی ؓ سے مخاطب ہوئے اور کہا: اب میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہے؟ انھوں نے کہا: بے شک فرمایا ہے!

حضرت عمر ؓ نے کہا کہ اب میں اس کی وضاحت کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالِ فَے میں سے اپنے رسول ﷺ کے لیے خاص حصہ مقرر کیا ہے جو کسی اور کے لیے نہیں ہے، پھر انھوں نے (سورۃ الحشر کی) یہ آیت پڑھی: ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ .... اِلخ﴾ تو یہ جائیدادیں (بنونضیر، فدک وغیرہ کی) خاص آنحضرت ﷺ کی تھیں، مگر اللہ کی قسم، انھوں نے یہ جائیدادیں آپ کو نظر انداز کر کے اپنے لیے خاص نہیں کیں اور نہ خاص اپنے خرچ میں لائے، بلکہ آپ لوگوں ہی کو دیں اور آپ کے کاموں میں خرچ کیں، حتی کہ یہ مال اس میں سے بچ رہا۔ رسول اللہ ﷺ اسی میں سے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کا سال بھر کا خرچہ کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جو بچ جاتا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے خرچ کر دیتے۔ آنحضرت ﷺ تو زندگی بھر اسی طرح کرتے رہے۔ (اے حاضرین!) تمھیں اللہ کی قسم، کیا تم یہ نہیں جانتے؟ انھوں نے کہا: بے شک جانتے ہیں۔ پھر حضرت عمر ؓ نے حضرت علی اور حضرت عباس ؓ سے کہا: آپ کو بھی اللہ کی قسم، کیا آپ یہ نہیں جانتے؟

حضرت عمر ؓ نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اُٹھا لیا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کہنے لگے کہ میں آنحضرت ﷺ کا جانشین ہوں اور انھوں نے یہ جائیدادیں اپنے قبضے میں رکھیں اور جو کام رسول اللہ ﷺ ان کی آمدنی سے کرتے تھے، وہی وہ بھی کرتے رہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ اس میں سچے، نیک، سیدھی راہ پر اور حق کے تابع تھے۔

پھر اللہ نے حضرت ابوبکر ؓ کو اُٹھا لیا اور میں حضرت ابوبکر ؓ کا جانشین بنا۔ میں نے اپنی حکومت کے ابتدائی دو سال تک اس جائیداد کو اپنے قبضے میں رکھا اور جیسا رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ کرتے رہے، ویسا ہی میں بھی کرتا رہا۔ اور اللہ جانتا ہے کہ میں ان جائیدادوں کے بارے میں سچا، نیک، سیدھی راہ پر اور حق کے تابع رہا۔

پھر آپ دونوں میرے پاس آئے اور بالاتفاق گفتگو کرنے لگے۔ آپ دونوں ایک تھے۔ اے عباس ؓ! آپ آئے اور مجھ سے اپنے

بھتیجے کے مال کا سوال کرتے تھے اور یہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) آئے اور وہ اپنی بیوی کا حصہ اپنے باپ کے مال سے لینے کا مطالبہ کرتے تھے۔ میں نے آپ دونوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے۔''

پھر مجھے یہ مناسب لگا کہ میں یہ جائیدادیں آپ لوگوں کے قبضے میں دے دوں تو میں نے آپ سے کہا: اگر آپ چاہتے ہیں تو میں یہ جائیداد آپ کے سپرد کیے دیتا ہوں، مگر اس عہد واقرار پر کہ آپ اس آمدنی سے وہ سب کام کرتے رہیں گے جو رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں اور میں اپنی حکومت کی ابتدا میں کرتا رہا ہوں۔ آپ دونوں نے (اس شرط کو قبول کرکے) کہا کہ یہ ہمیں دے دیں تو میں نے اس شرط پر دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: (اے حاضرین!) میں تمھیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ جائیداد ان کے سپرد کی یا نہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، سپرد کر دی تھی۔ پھر وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا میں نے یہ جائیداد آپ کے سپرد کی؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو کیا آپ مجھ سے اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کروانا چاہتے ہیں؟ اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر آپ سے اس کا انتظام نہیں ہوسکتا تو پھر جائیداد میرے سپرد کر دیں، میں اس کا انتظام کرلوں گا۔ (صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، رقم: ۳۰۹۴، وغیرہ)

یہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازي (باب حدیث بني النضیر) میں بھی ذکر کی ہے جس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ مالِ فَے میں سے ان کا آٹھواں حصہ ترکے میں سے ہمیں ملنا چاہیے، مگر میں نے ان کو منع کیا اور کہا: کیا تمھیں اللہ کا ڈر نہیں، تم یہ نہیں جانتیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''ہمارا کوئی وارث نہیں۔ جو ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے -اس سے آپ اپنے آپ کو مراد لیتے تھے- البتہ محمد (ﷺ) کی آل اس مال میں سے کھائے گی۔''

یہ سن کر نبی ﷺ کی بیویاں ترکہ مانگنے سے رک گئیں۔

(عروہ کہتے ہیں:) یہ مال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں رہا۔ انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس پر قبضہ نہ کرنے دیا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قبضے میں رہا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قبضے میں رہا، پھر حضرت زین العابدین علی بن حسین اور حسن بن حسن (حسن مثنیٰ) رحمہما اللہ دونوں کے قبضے میں رہا۔ دونوں باری باری اس کا انتظام کرتے رہے۔ پھر زید بن حسن بن علی رحمہ اللہ کے پاس رہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا صدقہ ہے (یعنی یہ حضرات مالک نہیں متولی بن کر رہے)۔ (صحیح بخاری، رقم: ۴۰۳۴، مزید دیکھیے فتح الباری: ۶/ ۲۰۷، ۲۰۸)

یہاں آنحضرت ﷺ کی میراث کے حوالے سے اہلِ سنت اور روافض کے مابین اختلاف کی وضاحت مقصود نہیں اور نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روافض کے پروپیگنڈے کا جواب دینا ہمارا موضوع ہے، بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ اہلِ بیت، آلِ رسول ﷺ کا یہ اختصاص ہے کہ ان پر صدقہ تو حرام ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے جو خمس یا مالِ فَے آنحضرت ﷺ کے لیے رکھا ہے، آپ ﷺ اسے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر اور دیگر اہلِ بیت پر خرچ کرتے اور جو بچ رہتا، اُسے جہاد کی راہ میں صرف فرماتے۔

۲۔ دوسرا حق ''صلاۃ'':

اہلِ بیت اور آلِ رسول ﷺ کا دوسرا حق یہ ہے کہ ان پر صلاۃ پڑھی جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

[الأحزاب: ٥٦]

''اے لوگو جو اِیمان لائے ہو! اس پر صلاۃ بھیجو اور سلام بھیجو خوب سلام بھیجنا۔''

حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ آپ پر سلام کیسے کہنا ہے، مگر ہم آپ پر صلاۃ کیسے بھیجیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: یوں کہو:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.)) (صحيح بخاري، رقم: ٣٣٧٠)

صحیحین کے علاوہ یہ حدیث سنن ومسانید اور معاجم وغیرہ کتبِ احادیث میں بھی ہے۔ صحیح بخاری ہی میں اس کے الفاظ یوں ہیں کہ ہم نے عرض کیا:

"يا رسول اللّٰه ﷺ! كيف الصلاة عليكم أهل البيت! فإن اللّٰه قد علمنا كيف نسلم، قال: ((قولوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ)). " (صحيح بخاري، رقم: ٤٧٩٧، ٦٣٥٧، صحيح مسلم، رقم: ٤٠٦)

''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے اہلِ بیت (گھر والوں) پر صلاۃ کس طرح ہے؟ اللہ نے سلام کہنے کی تعلیم تو ہمیں دے دی ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ.....الخ۔''

سلام تو عام ہے اور بکثرت سلام کہنے کا حکم ہے۔ تشہد میں ہم اپنے آپ پر اور تمام نیک بندوں پر سلام کہتے ہیں، مگر ''صلاۃ'' کا حکم آنحضرت ﷺ کے لیے ہے، لیکن جب نبی ﷺ نے ''صلاۃ'' کے کلمات سکھلائے تو اپنے ساتھ اپنی آل پر بھی ''صلاۃ'' سکھلایا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''اہلِ بیت'' آلِ رسول ﷺ میں شامل ہیں، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آلِ محمد ﷺ پر ''صلاۃ'' ہی کے حوالے سے بڑی نفیس بات فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

''یہ ''صلاۃ'' رسول اللہ ﷺ کی تمام آل کے لیے ہے۔ آل میں صالحین ہی کے لیے مخصوص نہیں، چہ جائے کہ (اسے روافض کے موقف کے مطابق) معصومین کے لیے مختص سمجھا جائے! بلکہ آپ کی تمام آل اس میں شامل ہے، جیسے: مومن مردوں اور مومنہ عورتوں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے دعا اُن سب کو شامل ہے جو ایمان واسلام میں داخل ہیں۔ اور عموماً مومنوں کے لیے دعا اور عموماً اہلِ بیت کے لیے دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سب نیک اور متقی ہیں، بلکہ ان کے لیے دعا کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ان کے لیے احسان اور فضل وکرم طلب کرنا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کا فضل واحسان طلب کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہا جائے گا کہ یہ آلِ محمد ﷺ پر ''صلاۃ'' ان کا حق ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آلِ محمد ﷺ کا اُمت پر حق ہے جس میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں۔ وہ موالات ومحبت کے زیادہ حق دار ہیں باقی تمام خاندانِ قریش سے، جیسے قریش موالات ومحبت کے زیادہ حق دار ہیں دوسرے عرب قبائل سے، یا جیسے عرب موالات ومحبت کے زیادہ حق دار ہیں باقی اولادِ آدم علیہ السلام سے۔ یہی جمہور کا موقف ہے۔'' (منہاج السنۃ: ۲/ ۲۵۹)

(باقی صفحہ ۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

بقیہ: خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

اس کے بعد کی مکمل بحث قابلِ مراجعت ہے، شائقین اس کی مراجعت فرمائیں۔ اس سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے ؎

يا أهل بيت رسول اللّٰه ﷺ! حبكم
فرض من اللّٰه في القرآن أنزله
كفاكم من عظيم القدر أنكم
من لم يصل عليكم لا صلاة له

''اے رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت! تم سے محبت من جانب اللہ فرض ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کیا ہے۔ تمھاری قدر و منزلت اور عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ جو نماز میں تم پر درود نہیں پڑھتا، اس کی نماز نہیں ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نماز میں درود کو فرض قرار دیتے ہیں۔ یہی موقف امام احمد اور امام اسحاق وغیرہم رحمہم اللہ کا ہے۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر: ۳/۶۷۱، جلاء الافہام، ص: ۳۹۶، فتح الباری: ۱۱/۱۶۳، القول البدیع، ص: ۱۵، وغیرہ) (جاری ہے)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ۷

خطبۂ غدیرِ خُم اوراہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشادالحق اثری حفظہ اللہ

۳۔ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا اِختصاص:

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا یہ اِختصاص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب: ٦]

''یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اوراس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

مسلمان اگرکسی کو مُنھ بولی ماں کہتا ہے تو وہ احترام کے علاوہ کسی طور پراس کی ماں نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تمام مومنوں کی مائیں ہیں اوران کی عزت وتکریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعدان سے نکاح بھی جائز نہیں، جیسا کہ سورۃ الاحزاب ہی میں فرمایا:

﴿وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا﴾ [الأحزاب: ٥٣]

''اور نہ یہ کہ اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک یہ بات ہمیشہ سے اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔''

یعنی یہ بہت بڑا گناہ ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔کسی کے عقد میں آجانے کے بعد کیاان کا کماحقہ اِحترام رہ سکتا ہے؟ ان سے نکاح کی ممانعت کی اور بھی حکمتیں ہیں، مگراس کی تفصیل یہاں تطویل کا باعث ہوگی۔

جنگِ جمل میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جنگ ختم ہوئی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، سلام کہا اور فرمایا:

"كيف أنت يا أمه؟"

''اماں جان! آپ کا کیاحال ہے؟''

فرمایا: ٹھیک ہوں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی بخشش فرمائے۔

بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: مالِ غنیمت تقسیم کیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا۔اس پر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پرطعن وتشنیع کی اور کہا: ہمارے لیےان کا خون حلال ہےتو ان کے مال حلال کیوں نہیں؟ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو فرمایا:

"أيكم يحب أن تصير أم المؤمنين في سهمه؟"

''تم میں سے کون چاہتا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس کے حصے میں آئیں؟''

توسب خاموش ہوگئے۔

جنگ وجدال میں فریقین کے جس قدر افراد شہید ہوئے، سب کی نمازِ جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، پھر بصرہ تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں ٹھہری ہوئی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے۔ ملنے کی اجازت طلب کی، انھوں نے اجازت دی تو انھیں سلام عرض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مرحبا کہا۔اور جب انھوں نے بصرہ سے جانے کا اِرادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سواری، زادِراہ اور دیگر ضرورت کا سامان بھیجا اور ساتھ اہلِ بصرہ کی چالیس

معروف خواتین کو اور ان کے بھائی حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور کئی میل تک ان کے ہمراہ چلے اور فرمایا: دنیا اور آخرت میں یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۴۴، ۲۴۵۔ ملخصاً)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قدر ومنزلت کیا تھی۔ وہ ہمیشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کے معترف رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کا آلِ رسول ﷺ میں سے ہونا بیان کرتی تھیں، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سیاہ بالوں سے بنی ہوئی دھاری دار چادر میں نکلے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو انھیں چادر میں لے لیا، پھر اسی طرح حضرت حسین، حضرت فاطمہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم آئے تو انھیں چادر کے نیچے لے لیا، پھر فرمایا:

((إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا.))

(صحيح مسلم، رقم: ٢٤٢٤)

کئی مواقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سائل نے فتویٰ طلب کیا تو انھوں نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانے کا حکم فرمایا۔ اس لیے یہ باور کرانا کہ دونوں کے دلوں میں باہمی خلش تھی، روافض کا پراپیگنڈا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تیرے اور عائشہ کے مابین اختلاف ہوگا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: تب تو میں بہت بدنصیب ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، جب ایسا ہو تو انھیں ان کے ٹھکانے پر پہنچا دینا۔''

(احمد، البزار)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ۱۳/۵۵) علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع: ۷/۲۳۴)

جواز واجِ مطہرات رضی اللہ عنہن حج کے لیے جاتیں تو حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ان کا سارا انتظام انصرام کرتے۔ طیالسہ کے بنے ہودج تیار کرواتے اور انھیں ایسی وادی میں ٹھہراتے جو گزرگاہ نہ ہوتی۔

(الاصابہ: ۴/۱۷۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت میں مروی ہے کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ وہ تشریف لائیں تو آنحضرت ﷺ نے انھیں اپنے پاس بٹھایا اور ان سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں اور بہت روئیں۔ جب آپ ﷺ نے انھیں غم ناک دیکھا تو دوبارہ ان سے سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے بعد میں ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے مخفی بات کہی تو آپ رونے لگی تھیں، وہ کیا بات تھی؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے راز کا اظہار نہیں کرنا چاہتی۔ جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوگیا تو میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

"عزمت عليك بحالي عليك من الحق."

''میں تمھیں قسم دیتی ہوں اس حق کی بنا پر جو میرا تم پر ہے۔''

کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا بات کی تھی؟ انھوں نے کہا: ہاں اب بتلاتی ہوں، چنانچہ انھوں نے مجھے بتلایا کہ پہلی بار جو سرگوشی کی تھی وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے بتلایا کہ ''جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا ایک بار دور کرتے تھے، اس سال دو بار دور کیا ہے اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ اے فاطمہ! اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا۔ میں تیرے لیے بہتر پیش رو ہوں۔'' تو میں رونے لگی۔ جب آپ نے مجھے روتے دیکھا تو دوسری بار یہ سرگوشی کی: ''اے فاطمہ! کیا تُو اس پر راضی نہیں کہ تُو تمام مومن عورتوں کی سردار بنے!'' یا یہ فرمایا: ''اس امت کی عورتوں کی سردار بنے!'' تو میں ہنسنے لگی۔ (صحیح بخاری، رقم: ۳۶۲۳، ۳۶۲۴، ۶۲۸۵، ۶۲۸۶، صحیح مسلم وغیرہ)

غور فرمائیے کہ وہ کیا حق تھا جسے جتلاتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قسم دلائی؟ ظاہر ہے کہ وہ ان کے ماں ہونے کا حق تھا جسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تسلیم کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی اس عظیم فضیلت کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اہلِ بیت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی آل اولاد کا احترام کیا اور ان کے مقام و مرتبے کا اعتراف کیا۔

①..... چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"والذي نفسي بيده، لقرابة رسول الله ﷺ أحب إلي أن أصل من قرابتي." (صحيح بخاري، رقم: ٣٧١٢ وغيره)

''اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے اچھا سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ پسند ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے "باب قرابة رسول الله ﷺ" میں ذکر کیا ہے۔

②..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ارقبوا محمدا ﷺ في أهل بيته." (صحيح بخاري، رقم: ٣٧١٣، ٣٧٥١)

''حضرت محمد ﷺ کا خیال اور لحاظ آپ کے اہلِ بیت میں رکھو۔''

یعنی ان کی تعظیم کرتے رہو اور انھیں تکلیف نہ پہنچاؤ۔ ان کی طرف کسی بُری بات کی نسبت نہ کرو۔ جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ والدین کی وفات کے بعد ان کے دوستوں سے حسنِ سلوک والدین کے ساتھ صلہ رحمی اور بہت بڑی نیکی ہے۔ اسی بنا پر غالباً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو عزت و احترام ہم آنحضرت ﷺ کا کرتے تھے، اب اس کا لحاظ ان کے اہلِ بیت میں رکھو۔

③..... حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اُٹھایا ہوا ہے اور فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں، علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس رہے تھے۔

(صحیح بخاری، رقم: ۳۷۵۰)

④..... جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"فو الله لإسلامك يوم أسلمت كان أحب إلي من إسلام الخطاب لو أسلم، ما بي إلا قد عرفت أن إسلامك كان أحب إلى رسول الله ﷺ من إسلام الخطاب لو أسلم."

(سلسلة أحاديث الصحيحة، رقم: ٣٣٤١)

''اللہ کی قسم جس روز آپ اسلام لائے تھے، آپ کا اسلام قبول کرنا مجھے زیادہ محبوب تھا میرے والد خطاب کے اسلام لانے سے اگر وہ ایمان لے آتے، اس لیے کہ میں جانتا ہوں آپ کا اسلام لانا رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھا خطاب کے اسلام لانے سے اگر وہ اسلام لے آتے۔''

جب عہدِ فاروقی میں قحط پڑتا تو اسی ناتے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو صلاۃِ استسقا، یا دعائے استسقا کے لیے کہتے اور فرماتے:

"اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا ﷺ فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقينا، فيسقون."

(صحيح بخاري، رقم: ١٠١٠، ٣٧١٠)

''اے اللہ! (پہلے) ہم اپنے نبی ﷺ کو تیرے لیے وسیلہ بناتے تھے تو تُو ہمیں پانی پلا دیتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیرے لیے وسیلہ بناتے ہیں، ہم کو پانی پلا۔ تو اللہ تعالیٰ پانی برسا دیتا تھا۔''

محلِ غور یہ بات ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان، حضرت علی اور دیگر عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہر نوع افضل تھے، لیکن بایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بارش کے لیے وسیلہ بنایا، اس لیے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے خطبہ اِرشاد فرمایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اسی طرح سمجھتے تھے جیسے بیٹا باپ کو سمجھتا ہے، اس لیے لوگو! رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرو اُن کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور انھیں وسیلہ بناؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((عم الرجل صنو أبيه .))

(ترمذي، رقم: ٣٧٦١ وغيره)

''آدمی کا چچا باپ کے مانند ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وہ دعا بھی ذکر کی ہے جو اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ (دیکھیے فتح الباری: ۲/ ۴۹۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی حدیث کی شرح کے آخر میں لکھا ہے:

"ويستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاة وأهل بيت النبوة ."

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس قصے سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اہلِ خیر اور نیک لوگوں سے اور نبی کریم ﷺ کے اہلِ بیت سے دعا کروانا مستحب ہے۔''

اسی طرح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرانے کا واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے:

"ولهذا قال الفقهاء: يستحب الاستسقاء بأهل الخير والدين، والأفضل أن يكونوا من أهل بيت النبي ﷺ." (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ٣٩٨، طبع الثانية: ١٩٥٠ء)

''اسی لیے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ اہلِ خیر اور اہلِ دین سے بارش کی دعا کروانا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ وہ نبیِ کریم ﷺ کے اہلِ بیت میں سے ہوں۔''

ایک عجیب قصہ ہے کہ شیخ حمزہ بن قاسم بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب (وفات: ۳۳۵ھ) سے دعائے استسقا کے لیے کہا گیا تو انھوں نے اپنی داڑھی کو پکڑا اور اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

"اللّٰهم إني من ولد ذلك الرجل الذي استسقى بشيبته عمر بن الخطاب رضي الله عنه فسقوا، اللّٰهم فاسقنا . فمازال يردد ويتوسل بهذا الوسيلة حتى سقوا ." (تاريخ بغداد: ٨/ ١٨٢، كرامات الأولياء، شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي: ٩/ ١٤٦)

''اے اللہ! میں اس شخص کی اولاد میں سے ہوں جس کے بڑھاپے کی بنا پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بارش کی دعا کرائی تھی تو انھیں پانی مل گیا تھا۔ اے اللہ! ہمیں بھی پانی پلا۔ یہی دُعا بار بار وہ دہراتے رہے اور یہ وسیلہ بناتے رہے، تا آنکہ انھیں پانی مل گیا۔''

اس لیے دوسرے اہلِ خیر کے ہوتے ہوئے بھی اہلِ بیت سے دعا کروانا افضل ہے، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ اور یہ اہلِ بیت کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس کی صالحیت اگرچہ دوسرے صالحین اور اہلِ دین سے کم تر ہی کیوں نہ ہو، مگر

آنحضرت ﷺ کی قرابت داری کا جو شرف اسے حاصل ہے، وہ سب پر بھاری ہے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن اللّٰه اصطفى كنانة من ولد إسماعيل، واصطفى قريشا من كنانة، واصطفى من قريش بني هاشم، واصطفاني من بني هاشم.)) (صحيح مسلم، رقم: ٢٢٧٦)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ سے قریش کو منتخب کیا، قریش سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور بنو ہاشم سے میرا انتخاب کیا۔''

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ''عدنان'' تک کا نسب نامہ محدثین اور اصحابِ سیر کے ہاں متفق علیہ ہے۔ ''عدنان'' سے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کا نسب نامہ مختلف فیہ ہے۔ آنحضرت ﷺ اور عدنان کے مابین بیس واسطے ہیں اور اکیس پر عدنان ہیں، پھر آنحضرت ﷺ اور کنانہ بن خزیمہ کے مابین تیرہ واسطے ہیں، پھر آنحضرت ﷺ ور قریش تک دس واسطے ہیں۔ ''قریش'' دراصل لقب ہے، اصل نام ''فہر'' ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ اور ہاشم کے درمیان دو واسطے ہیں: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ ہاشم بھی لقب ہے، اصل نام عمرو بن عبدمناف ہے۔ کنانہ، قریش، ہاشم کی تاریخ میں کیا خصوصیات و خدمات تھیں جن کی بنا پر ان کا انتخاب کیا گیا، یہ جاننے کے لیے شائقین سیرت انسائیکلوپیڈیا (طبع دارالسلام، لاہور) کی جلد دوم ملاحظہ فرمائیں۔

مقصد یہ تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے رسول اللہ ﷺ کا نسب سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا:

''قلبت مشارق الأرض ومغاربها فلم أر رجلا أفضل من محمد ﷺ ولم أر بيتا أفضل من بيت بني هاشم.'' (المعجم الأوسط للطبراني، رقم: ٦٢٨١، دلائل النبوة للبيهقي)

''میں زمین کے مشرق ومغرب میں پھرا ہوں، میں نے محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں دیکھا اور بنو ہاشم کے گھر سے کسی کا گھر افضل نہیں دیکھا۔''

اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی ہے، علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ (مجمع: ۸/۲۱۶) مگر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''امالی'' کے حوالے سے لکھا ہے:

''لوائح الصحة ظاهرة.''

(التعظيم والمنة، ص: ٤٩)

''اس کے صحیح ہونے کے اِشارے ظاہر ہیں۔''

گویا صحیح مسلم کی حدیث اس کی موید ہے۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کا نسب اور آپ کی قرابت داری بہت بڑا شرف وفضل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة إلا سببي ونسبي.)) (مستدرك حاكم: ١٤٢/٣، ١٥٨ وغيره، الصحيحة، رقم: ٢٠٣٦)

''میرے واسطے اور میرے نسب کے علاوہ قیامت کے روز سب واسطے اور نسب ختم ہو جائیں گے۔''

یہی وہ حدیث ہے جس کی بنا پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے نکاح کا مطالبہ کیا تھا، تاکہ میرا تعلق وواسطہ قیامت کے روز بھی رسول اللہ ﷺ سے قائم رہے۔ (البدایہ: ۸۱/۳) چنانچہ حضرت علی بن حسین زین

العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کا نکاح طلب کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے بھائی جعفر کے بیٹے عبداللہ کے لیے یہ رشتہ محفوظ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا رشتہ مجھ سے کر دیں، اللہ کی قسم میں اس کی ایسی حفاظت رکھوں گا کہ کوئی دوسرا ایسی حفاظت نہیں رکھ سکے گا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم کا نکاح ان سے کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اسی خوشی میں) مہاجرین کے پاس گئے اور فرمایا: تم مجھے مبارک باد کیوں نہیں دیتے؟ انھوں نے پوچھا: کس چیز کی مبارک دیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ام کلثوم بنت علی، یعنی بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نسب وسبب قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے نسب وسبب کے۔

(مستدرک حاکم: ۳/۱۴۲، سنن سعید بن منصور: ۳/۱۳۰ وغیرہ)

کتبِ انساب میں بھی اس نکاح کا ذکر ہے (ملاحظہ ہو نسب قریش، کتاب المحبر، جمهرة أنساب العرب، أنساب الأشراف وغیرہ)، بلکہ شیعوں کی معتبر کتب الکافی، الاستبصار، تہذیب الاحکام وغیرہ میں بھی اس نکاح کا ذکر ہے۔ خطیب الاسلام مولانا محمد صدیق فیصل آبادی رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل کتاب ''ام کلثوم بنت علی فاروقِ اعظم کے نکاح میں'' کے نام سے لکھی اور بحث کا حق ادا کر دیا۔

اس ضروری تفصیل کا مقصد بس اتنا ہے کہ ایک تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی عظمت واضح ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ اس میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس نسب سے جوڑنے کا داعیہ اور آپ کے قرابت داروں کی عزت افزائی اور قدر دانی کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری کا احساس رکھتے ہوئے جب مالِ غنیمت اور مالِ فَے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حصے مقرر کیے تو اہلِ بدر کے لیے پانچ ہزار درہم مقرر کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پانچ ہزار دیے گئے اور ان کے ساتھ حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کو بھی پانچ پانچ ہزار دیے۔ حالانکہ وہ تو غزوۂ بدر کے موقع پر پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا، راوی کا بیان ہے:

''لمكانهما من رسول الله ﷺ.''

''ان دونوں کے اُس مرتبے کی بنا پر جو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حاصل تھا۔''

علاوہ ازیں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے بارہ بارہ ہزار درہم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے بھی بارہ ہزار درہم حصہ مقرر ہوا۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے چار ہزار، مگر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار درہم مقرر کیے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابا جان! اُسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار مجھ سے زیادہ کیوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُسامہ رضی اللہ عنہ کے والد تیرے والد سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۶/۳۵۰، کتاب الاموال لابی عبید، ص: ۲۲۴، السیر: ۳/۱۹۱ وغیرہ)

اندازہ کیجیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا کتنا احساس تھا۔

اسی نوعیت کی ایک بات یہ بھی دیکھیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: میرے باپ کے منبر سے اُتریے اور اپنے باپ کے منبر پر جائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے باپ کا کوئی منبر نہیں، پھر انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور اپنے پاس بٹھا لیا اور جب منبر سے اُترے تو انھیں بھی اپنے ہمراہ گھر لے گئے، پھر پوچھا: یہ بات تمھیں کس نے سکھلائی ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم، کسی نے نہیں سکھلائی۔ پھر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹا! کاش تم ہمارے پاس آتے جاتے رہو۔
چنانچہ ایک روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے، مگر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے محوِ گفتگو تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی دروازے پر کھڑے تھے۔ انھوں نے اجازت طلب کی، مگر انھیں اجازت نہ ملی تو وہ واپس چلے گئے، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ واپس چلے گئے، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو پوچھا: ''میں نے تمھیں دیکھا نہیں (یعنی کبھی ملے نہیں)۔'' حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! میں آیا تھا، آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ دروازے پر تھے، وہ واپس گئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس چلا گیا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أنت أحق بالإذن من ابن عمر، وإنما أنبت ما ترى في رؤوسنا الله، ثم أنتم." (تاريخ بغداد: ١٤١/١، تاريخ الثقات للعجلي مختصرا، ص: ١١٩، ابن عساكر: ١٧٥/١٤، السير: ٢٨٥/٣، تهذيب: ٣٤٧/٢، الإصابة: ١٥/٢)

''تم عمر کے بیٹے (عبداللہ) سے زیادہ اجازت کے حق دار ہو (یعنی تمھیں اجازت کی ضرورت نہ تھی) اور بلاشبہ جو ہمارے سروں پر (عزت کا تاج) دیکھ رہے ہو، یہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر تم اہلِ بیت کی جانب سے ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے بعد یہ سب سرفرازی تمھارے گھرانے کی برکت سے ہے)۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ امام عجلی رحمہ اللہ نے صحیح سند سے اسے مختصراً ذکر کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات کسی نے نہیں سکھلائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"منبر أبيك والله، منبر أبيك والله."

''اللہ کی قسم منبر تمھارے ابا جان کا ہے، اللہ کی قسم منبر تمھارے ابا جان کا ہے۔''

اس قصے کا نتیجہ کیا ہے، یہی ناں کہ بیٹے کو تو باپ کے گھر میں آنے کی اجازت چاہیے، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے یہ پابندی نہیں۔ وہ جب آئیں بسم اللہ۔ یہ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔
یاد رہے کہ یہ سارا واقعہ دراصل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آپ بیتی ہے، ہم نے تفہیم کے طور پر اسے ایک قصے کی صورت میں نقل کیا ہے۔ (جاری ہے)

❀❀❀

بقیہ: اسلامی نظامِ سزا کی حکمتیں

''بے شک اللہ تعالیٰ نے شرعی سزاؤں کو اپنے بندوں کے لیے باعثِ رحمت بنایا ہے اور یہ اس کی مخلوق کے لیے اللہ کی طرف سے رحمت و اِحسان ہیں، پس ہر وہ آدمی جو انسانوں کو گناہوں پر سزا دینے کے لیے متعین ہو، اسے چاہیے کہ وہ ان مجرموں کے ساتھ رحمت اور اِحسان کا اسی طرح قصد کرے جس طرح ایک والد اپنے بیٹے کی سزا کے لیے کرتا ہے اور جس طرح ایک ڈاکٹر اپنے مریض کے علاج میں کرتا ہے۔''

اسلامی حدود و تعزیرات کا نظام جہاں اللہ کی طرف سے دنیا والوں کے لیے باعثِ برکت و رحمت ہے، وہاں اہلِ دنیا کے لیے باہمی محبت و اخوت کا بھی ضامن ہے۔ جتنے جرائم کم ہوں گے، اتنے ہی لوگوں کے درمیان شکوے شکایات کم ہوں گی، جذبۂ انتقام سرد پڑ جائے گا اور عوام الناس میں یگانگت اور محبت کے جذبات پرورش پائیں گے۔ تہذیب و ثقافت کا معیار بلند ہوگا اور ایک مثالی فلاحی معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔ (باقی آئندہ)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ⑧ آخری

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

(حضرت مولانا) اِرشاد الحق اثری حفظہ اللہ

⑤...... اہلِ بیت کے ساتھ ان کی زندگی ہی میں نہیں، ان کی وفات کے بعد بھی ان کا لحاظ اور پاس رکھنے کا اندازہ اس سے کیجیے کہ حسن رحمہ اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیٹی کے لیے رشتے کا پیغام بھیجا، چنانچہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ جناب حسن رحمہ اللہ سے ملے تو فرمایا:

”واللّٰه ما من نسب ولا سبب ولا صهر أحب إلي من سببكم وصهركم، ولكن رسول اللّٰه ﷺ قال: ((فاطمة مضغة مني، يقبضني ما يقبضها ويبسطني ما يبسطها، وإن الأنساب يوم القيامة تنقطع غير نسبي وسببي وصهري.)) وعندك ابنتها، ولو زوجتك لقبضها ذلك، فانطلق الحسن بن الحسن عاذرا له.“ (مسند الإمام أحمد، رقم: ۱۸۹۰۷، زوائد ابنه، رقم: ۱۸۹۳۰، فضائل الصحابة لأحمد، رقم: ۱۳۳۳، مستدرك حاكم: ۱۵۸/۳ وصححه)

”اللہ کی قسم، نہ کوئی نسب، نہ کوئی سبب اور نہ کوئی سسرال میرے ہاں محبوب ہیں تمھارے سبب ونسب اور تمھارے سسرال سے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ”فاطمہ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس کی تکلیف میری تکلیف ہے اور اس کی خوشی میری خوشی ہے اور بلاشبہ قیامت کے روز سب انساب منقطع ہو جائیں گے، سوائے میرے نسب، میرے سبب اور میرے سسر ہونے کے۔“ اور تیرے ہاں (پہلے ہی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہے اور اگر میں اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کروں (تو کسی وجہ سے اگر کوئی ناگواری ہوئی تو) کہیں اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی کو تکلیف نہ ہو۔ یہ سن کر حسن بن حسن ان کا عذر قبول کر کے چلے گئے۔“

غور فرمایئے کہ حسن رحمہ اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے گھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کون سی بیٹی تھیں، بیٹی نہیں، بلکہ ان کی پوتی فاطمہ رحمہا اللہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما تھیں۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی ان کی عظمت کا احساس کرتے ہوئے حسن بن حسن سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنے سے معذرت کی۔ گویا جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں صحابہ ان کی قرابت داری کا احساس کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد بھی انھیں اس کا احساس تھا۔

⑥...... قرابت داروں کی پاس داری اور حمایت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے جسے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازیبا بات کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا:

”تعرف صاحب هذا القبر؟ هو محمد بن عبداللّٰه بن عبدالمطلب، وعلي بن أبي طالب بن عبدالمطلب، فلا تذكر عليا إلا بخير، فإنك إن أبغضته آذيت هذا في قبره.“ (فضائل الصحابة لأحمد، رقم: ۱۰۸۹، إسناده صحيح)

”تم اس قبر والے کو جانتے پہچانتے ہو؟ وہ محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور علی (رضی اللہ عنہ) بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہیں (یعنی دونوں میں یہ خاندانی قرابت ہے)،

اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ ہی کرو۔ اگر تُو ان سے بغض رکھے گا تو اس قبر والے کو تُو تکلیف دے گا۔''

⑦...... یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں کہ ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ رحمہا اللہ ملاقات کے لیے گئیں تو وہ ان سے بے حد عزت و احترام سے پیش آئے اور فرمایا:

"يا بنت علي! والله ما على ظهر الأرض أهل بيت أحب إلي منكم، ولأنتم أحب إلي من أهل بيتي." (ابن سعد: ٣٢٧/٧)

''اے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی! اللہ کی قسم سرزمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو تم سے زیادہ محبوب ہو اور تم میرے اہلِ بیت سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔''

اس سے اندازہ کیجیے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، جو خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں، ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی کتنی قدر و منزلت تھی! اس لیے کہ اس گھرانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا شرف حاصل تھا۔

⑧...... حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ کاتبِ وحی تھے اور اصحابِ فتویٰ میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمعِ قرآن کی ذمہ داری انھیں سونپی تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک بار گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد! یوں نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمیں اپنے علماء سے اسی طرح حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ اِدھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کیا کیا، راوی کا بیان ہے کہ

"قبل زيد بن ثابت يد ابن عباس وقال: هكذا أمرنا أن نفعل بأهل بيت نبينا." (المعرفة والتاريخ للفسوي: ٤٨٤/١، طبراني، مجمع: ٣٤٥/٩)

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا: ہمیں اپنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

یہ ہے قدردانی اہلِ بیت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کی!

⑧...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جو وصیتیں فرمائیں، ان میں یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مطالبہ کیا تھا کہ مجھے آپ کے حجرے میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے تو انھوں نے میری گزارش قبول کر لی۔ شاید انھوں نے مجھ سے حیا کرتے ہوئے اجازت دی ہو، اس لیے جب میں فوت ہو جاؤں تو جا کر ان سے اس کی دوبارہ اجازت لینا۔ میرا خیال ہے کہ یہ قوم، یعنی بنواُمیہ حجرے میں دفن ہونے سے روکے گی۔ اگر ایسا ہوا تو بقیع میں مجھے دفن کر دینا۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی گئی تو انھوں نے فرمایا:

"نعم وكرامة!"

''ہاں، عزت و تکریم کے ساتھ!'' (السیر: ۲۷۹/۳، البدایہ مختصراً: ۴۴/۸، الاستیعاب)

اندازہ کیجیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کس خوش دلی سے اپنے حجرۂ مبارکہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین کی اجازت دی! یہ تو بنواُمیہ تھے جنھوں نے اس پر عمل نہ ہونے دیا، حتیٰ کہ جنگ و جدال کی نوبت آ گئی۔ حضرت ابوہریرہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جھگڑے سے اِجتناب کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور انھوں نے مشورہ تسلیم کر کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بقیع میں ان کی والدہ کی قبر کے قریب دفن کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس اجازت نامے کے بعد ان کے مابین نفرتوں کے بیج روافض نے بوئے ہیں جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہیں۔

⑨...... عہدِ فاروقی میں ایک بار یمن سے کپڑے آئے تو حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد کو پوشاکیں عطا فرمائیں۔ ان میں سے کوئی پوشاک ایسی نہ تھی جو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے شایانِ شان ہو۔ چنانچہ انھوں نے یمن کے نائب کے پاس ایک صاحب کو بھیجا کہ دونوں صاحبزادگان کے لیے لباس تیار کروا کر لاؤ، چنانچہ وہ وہاں سے لباس لایا تو وہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو پہنایا اور فرمایا:

"الآن طابت نفسي ."

''اب میرا دل خوش ہوا ہے۔'' (سیر أعلام النبلاء : ۲/۲۶۳، البدایہ: ۸/ ۲۰۷، ابن عساکر، ابن سعد وغیرہ)

⑩.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو خصوصی لباس ہی نہیں پہنایا، بلکہ مالِ غنیمت میں سے بھی ان کا وہی حصہ مقرر کیا جو ان کے والدِ گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقرر تھا، جیسا کہ پہلے باحوالہ ہم نقل کر آئے ہیں۔ بلکہ جب مدائن فتح ہوا اور بادشاہ یزدگرد کی بیٹیاں دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی سب سے خوب صورت بیٹی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دی جس سے جناب علی زین العابدین رحمہ اللہ پیدا ہوئے، ایک بیٹی اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دی، اس سے سالم پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جناب محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی جس سے قاسم پیدا ہوئے۔ (تہذیب التھذیب لابن حجر: ۳/ ۴۳۸)

شیعوں کی مشہور کتاب اُصولِ کافی (باب الحجہ) میں تو یہ قصہ بڑی رنگ آمیزی سے نقل ہوا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انھی نوازشات کے پس منظر میں لکھتے ہیں:

"وقد ثبت أن عمر بن الخطاب كان يكرمهما ويحملهما ويعطيهما كما يؤتي أباهما ."

(البداية : ۸/ ۲۰۷)

''بے شک یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان دونوں کی تکریم کرتے، انھیں اُٹھاتے اور انھیں اسی طرح مال وغیرہ دیتے جیسے ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیتے تھے۔''

⑪.....حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تکریم کا ذکر پہلے ہوا ہے، اسی حوالے سے یہ بھی دیکھیے جسے حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

"إن العباس بن عبدالمطلب لم يمر بعمر ولا بعثمان وهما راكبان إلا نزلا ، حتى يجوز العباس إجلالا له ، ويقولان: عم النبي ﷺ ." (الاستيعاب : ۲/ ۳۶۰)

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب کبھی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرتے اور وہ دونوں سواری پر ہوتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں دونوں سواری سے اُتر جاتے، تا آنکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں سے گزر جاتے اور وہ دونوں فرماتے: نبیِ کریم ﷺ کے چچا ہیں۔''

یہی قصہ حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (۲/۹۳) میں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ (۷/۱۶۲) میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۵/۱۲۳) میں ذکر کیا ہے۔

⑫.....امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے قاسم بن محمد بن ابوبکر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نیا کام کیا جسے پسند کیا گیا اور وہ یہ کہ ایک شخص کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوا تو اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا استخفاف کیا جس کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے مارا۔ اس بارے میں ان سے کہا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے جواباً فرمایا:

"أيفخم رسول الله ﷺ عمه وأرخص في الاستخفاف به! لقد خالف رسول الله ﷺ من رضي فعل ذلك فرضي به منه ."

(تاريخ ابن جرير الطبري: ٤/ ٤٠٠)

''رسول اللہ ﷺ تو اپنے چچا کی تعظیم کریں اور میں ان کے استخفاف کی اجازت دے دوں! جو شخص اس کے عمل پر راضی ہوا اور اسے پسند کیا، اُس نے یقیناً رسول اللہ ﷺ کی

مخالفت کی۔''

تاریخ کی یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب ۳۲ھ میں فوت ہوئے تو ان کی نمازِ جنازہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

⑬.....حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عظمت پر تمام اہلِ سنت متفق ہیں۔ وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ احادیث کے حافظ اور سب سے زیادہ احادیث کی روایت کرنے والے تھے۔ ایک جنازے میں وہ جا رہے تھے، اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ راہ چلتے ہوئے جو مٹی ان کے پاؤں پر پڑ رہی تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو انھوں نے اپنے رومال سے اس مٹی کو صاف کیا۔ (السیر: ۲۸۲/۳)

⑭.....اہلِ بیت سے محبت اور ان کی عظمت ہی کی بنا پر بعض محدثین نے آنحضرت ﷺ کے خاندان کے اہلِ علم کی روایات کو پہلے ذکر کیا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الجامع الصحیح المسند، یعنی صحیح بخاری کا آغاز امام عبداللہ بن زبیر حمیدی کی حدیث ((إنما الأعمال بالنيات ..... إلخ)) سے کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام حمیدی رحمہ اللہ قریشی ہیں اور ان کا نسب آنحضرت ﷺ کے جدِ اعلیٰ ''قصی'' سے جا ملتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((قدموا قريشا .)) ''قریش کو آگے کرو'' اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عظیم الشان کتاب کا آغاز امام حمیدی رحمہ اللہ کی حدیث سے کیا ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۱)

⑮.....اسی طرح امام بقی بن مخلد نے ''المسند'' لکھی تو امام یحییٰ الیشي رحمہ اللہ کے بیٹے عبیداللہ اور اسحاق رحمہما اللہ ان کے پاس حاضر ہوئے اور احتجاج کیا کہ آپ ابومصعب احمد بن ابوبکر زہری رحمہ اللہ اور یحییٰ بن بکیر کی روایات ہمارے والد کی روایات سے پہلے کیوں لائے ہیں؟ ہمارے والد کی روایات پہلے ذکر کرتے۔ امام بقی بن مخلد نے فرمایا کہ ابومصعب زہری کی روایات پہلے اس لیے ذکر کی ہیں کہ وہ قریشی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''قریشی کو آگے کرو'' اور رہی یحییٰ بن بکیر کی روایات تو وہ عمر میں بڑے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''بڑے کو بڑا بناؤ'' یعنی اسے آگے کرو۔ (الصلة لابن بشكوال: ۱۰۰/۱)

غور فرمائیے کہ حضراتِ محدثین رحمہم اللہ آنحضرت ﷺ کی پیروی میں کس قدر سرگرم تھے اور آپ کے خاندان کی کتنی تکریم و تعظیم کرتے تھے!

⑯.....امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کی مسانید کے بعد صرف چار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات لائے، پھر اہلِ بیت کی روایات لائے ہیں، چنانچہ پہلے حضرت حسن کی، پھر حضرت حسین کی، پھر حضرت عقیل بن ابی طالب کی، پھر حضرت جعفر کی، پھر حضرت عبداللہ بن جعفر کی، پھر حضرت عباس کی اور پھر ان کی اولاد کی روایات لائے ہیں، رضي الله عنهم أجمعين .

اسی طرح جب ''مسند النساء'' کی روایات کا آغاز کیا تو اس کی ابتدا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی احادیث سے فرمائی۔

امام احمد رحمہ اللہ اس بارے میں کس قدر حساس تھے، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان کے فرزند امام عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رأيت أبي إذا جاء ه الشيخ والحدث من قريش أو غيرهم من الأشراف، لا يخرج من باب المسجد حتى يخرجهم، فيتقدمونه، ثم يخرج بعدهم.'' (الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب، رقم: ۸۰۱)

''میں نے اپنے والدِ گرامی کو دیکھا کہ جب خاندانِ قریش میں سے کوئی شیخ یا جوان یا ان کے علاوہ اشراف میں سے کوئی ان کے پاس آتا تو وہ مسجد کے دروازے سے نہ نکلتے، پہلے انھیں نکلنے دیتے۔ انھیں آگے کرتے، پھر ان کے بعد خود نکلتے۔''

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ مرض الموت میں مبتلا تھے، لوگ بکثرت ملاقات کے لیے آتے، مگر اکثر کو ملنے کی اجازت نہ دیتے جن میں بغداد کے قاضی اور اُمراء بھی ہوتے۔ لیکن جب بنو ہاشم میں سے کوئی ملاقات کے لیے آتا تو انھیں ملنے کی اجازت دے دیتے۔ (السیر

للذهبي: ۱۱/ ۳۳۶، مناقب الامام احمد از ابن جوزی، ص: ۴۰۵)

اندازہ کیجیے کہ امام صاحب کے نزدیک خاندانِ ہاشم کی قدر ومنزلت کیا ہے، اس لیے کہ یہ خاندان رسول اللہ ﷺ کا خاندان تھا، جیسا کہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں۔

اس سے بھی عجیب تر بات وہ ہے جسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کو خلیفہ معتصم کے جلادوں نے جو کوڑے مارے تھے، ان سے ان کے جسم کا چمڑا بے حس اور مردہ ہو گیا تھا۔ طبیب اس کے علاج کے لیے آیا تو اس نے بتلایا کہ اس بے جان چمڑے کو کاٹنے کے علاوہ علاج ممکن نہیں۔ طبیب کے نشتر سے تکلیف ہوتی تو امام صاحب اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیتے اور فرماتے:

"اللّٰهم اغفر للمعتصم."

''اے اللہ! معتصم کو معاف فرما دے۔''

اور یہ دعا بتکرار کرتے رہے، تا آنکہ طبیب نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ بعد میں طبیب نے کہا کہ لوگ جب کسی امتحان میں مبتلا کیے جاتے ہیں تو وہ ظالم کے لیے بددُعا کرتے ہیں، مگر آپ کو میں نے دیکھا کہ آپ مسلسل معتصم کے لیے دعا کرتے رہے ہیں؟ امام صاحب کا جواب پڑھیے، فرماتے ہیں:

"إني فكرت فيما تقول، وهو ابن عم رسول اللّٰه ﷺ فكرهت أن آتي يوم القيامة وبيني وبين أحد من قرابته خصومة، وهو مني في حل." (روضة العقلاء، ص: ١٦٥)

''تم نے جو کچھ کہا میں نے اس میں غور کیا ہے۔ معتصم رسول اللہ ﷺ کے چچا کا بیٹا ہے، میں نے ناپسند جانا کہ میں قیامت کے روز آؤں اور میرے اور آنحضرت ﷺ کے کسی قرابت دار کے مابین جھگڑا ہو۔ وہ میری طرف سے آزاد اور بری الذمہ ہے۔''

جس سے امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے قرابت داروں کی قدر و منزلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے "الصواعق المحرقة" کے تحت وذیل میں اہلِ بیت کے مناقب اور ان کے خصائص میں تمام رطب ویابس جمع کر دیا ہے اور بہت سی حکایات ورؤیا اسی حوالے سے ذکر کیے ہیں، شائقین اس کی مراجعت فرمائیں۔

انھوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جعفر بن سلیمان (والیِ مدینہ طیبہ) نے امام مالک رحمہ اللہ پر اس قدر ظلم وجبر کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں انھیں گھر لایا گیا۔ جب ہوش آیا تو انھوں نے حاضرین سے فرمایا: ''میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے کوڑے مارنے والوں کو معاف کر دیا ہے۔'' اس کے بارے میں ان سے عرض کیا گیا کہ یہ معاف کرنا کس بنا پر؟ انھوں نے فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ میں مر جاؤں اور میری ملاقات نبیِ کریم ﷺ سے ہو تو مجھے ان سے حیا آئے گی کہ میری وجہ سے ان کی آل کے بعض افراد کو آگ میں ڈال دیا جائے۔

خلیفہ منصور جب مدینہ طیبہ آیا تو اس نے امام مالک رحمہ اللہ کی دل جوئی کے لیے کہا کہ کوڑے مارنے والے سے آپ بدلہ لے لیں۔ تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی پناہ، اللہ کی قسم میں نے تو آنحضرت ﷺ کی قرابت داری کی بنا پر اسے اس وقت معاف کر دیا تھا جب وہ کوڑا میرے جسم سے اوپر اُٹھاتا تھا۔ (الصواعق، ص: ۱۸۰، ۲۳۸)

اسی طرح بعض حفاظ سے منقول ہے کہ خلیفہ متوکل کے دور میں ایک عورت نے متوکل کے سامنے دعویٰ کیا کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہے، یعنی سادات میں سے ہے جنھیں آج بھی ''الشریف'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو متوکل نے کہا: اس کی تصدیق کون کرے گا؟ کہا گیا: اس بارے میں حضرت علی رضا رحمہ اللہ سے دریافت کیا جائے، چنانچہ وہ تشریف لائے تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد کو درندوں پر حرام قرار دیا ہے، اسے درندوں کے سامنے ڈال کر دیکھ لو۔ جب اس عورت کو یہ بات کہی گئی تو وہ اپنے دعوے سے منحرف ہو گئی۔

متوکل سے کہا گیا کہ انھی سے اس بارے میں تجربہ کر لیجیے، چنانچہ اس نے تین شیر منگوائے اور انھیں محل کے صحن میں کھلا چھوڑ دیا گیا اور حضرت علی رضا رحمہ اللہ کو بلوا بھیجا۔ وہ تشریف لائے اور محل کا دروازہ بند کر دیا گیا تو شیر اُن کے گرد گھومنے لگے اور وہ انھیں پیار کرنے لگے۔ انھوں نے فرمایا: تم مجھے مارنا چاہتے تھے؟ اور فرمایا: اس کا تذکرہ آگے نہ کرنا۔

مورّخ مسعودی نے کہا ہے کہ یہ قصہ حضرت علی رضا رحمہ اللہ کا نہیں، بلکہ ان کے بیٹے حضرت حسن عسکری رحمہ اللہ کا ہے۔ (الصواعق، ص:۲۰۵)

اس کی تائید آگے ان کے ترجمے میں علامہ ابن حجر مکی نے کی ہے اور مزید لکھا ہے کہ اسی قسم کا معاملہ خلیفہ رشید نے حضرت یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن سبط سے کیا تھا اور بھوکے شیروں نے انھیں کچھ نہ کہا اور ان کے قریب قریب گھومتے پھرتے رہے۔ (ایضاً، ص:۲۰۷) واللہ اعلم۔

سادات کی جان پہچان اور ان کی قدر دانی ہی کی بنا پر ایک دور میں سادات کے لیے سبز لباس تجویز کیا گیا، پھر سبز پگڑی اور بعد میں پگڑی پر سبز پٹی پر اکتفا کیا جانے لگا۔ حضرت علی رضا رحمہ اللہ نے تو خلفائے بنوعباس سے بھی کہا کہ سبز لباس پہنو، مگر اس پر عمل نہ ہو پایا۔ مامون نے انھیں اپنے بعد خلافت کے لیے نام زد کر دیا تھا، مگر حضرت علی رضا مامون کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ (الصواعق، ص:۱۸۵، التاج المکلل، ص:۲۹۸ وغیرہ) اور ان کے مشورے پر عمل نہ ہو پایا۔

خلفائے بنوعباس سیاہ لباس پہنتے تھے۔ شیعوں کی کتابوں میں جو سیاہ لباس پہننے کی مذمت میں ان کے ائمہ کے اقوال ہیں، وہ غالباً خلفائے بنوعباس کے اسی لباس کے تناظر میں ہیں۔

ہم نے یہ چند واقعات اس پس منظر میں لکھے ہیں کہ بتلایا جائے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلافِ اہلِ سنت کے نزدیک اہلِ بیت کی قدر و منزلت کیا ہے۔ رہے ان کے مناقب یا اہلِ بیت کے ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم و تکریم اور ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف تو یہ ایک طویل بحث ہے جو ہمارا موضوع نہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالخصوص اہلِ بیت کی تکریم و تعظیم کی اور ان سے محبت کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین!

بقیہ: تفسیر سورۂ المومن

﴿وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [یونس: ۲۷]

''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں، کسی بھی برائی کا بدلہ اس جیسا ہوگا اور انھیں بڑی ذلت ڈھانپے گی، انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، گویا ان کے چہروں پر رات کے بہت سے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں، جب کہ وہ (رات) اندھیری ہے، یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

مولانا عبدالرحمان سریسر کی رحلت

سریسر چک نمبر ۲۱ (ضلع قصور، تحصیل پتوکی) کے عالمِ دین مولانا عبدالرحمان سریسر ۲۱ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سرکاری سکول میں عربی ٹیچر تھے اور اِمامت وخطابت کا فریضہ بھی تندہی سے سرانجام دے رہے تھے۔ آپ نے خدمتِ دین کے لیے ۱۹۹۰ء میں گورنمنٹ اسلامیہ ایلیمنٹری سکول (پتوکی) سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ آپ مرنجاں مرنج طبع کے مالک، سادہ مزاج اور نوجوانوں کے مربی تھے۔ مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین لکھوی رحمہما اللہ کے کہنے پر اپنی زندگی تربیتِ دین کے لیے لگائے رکھی اور اسی چک نمبر ۲۱ سریسر کے ہو رہے اور ''سریسر'' نام کا حصہ بن گیا۔ ان کی نمازِ جنازہ میں علاقے کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

([مولانا] حسن محمود کمیر پوری)